ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ آل عمران (آیت 191-193)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۡ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾﴾

''جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ تو پاک ہے' تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔ اے پروردگار! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اُسے رسوا کیا' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے پروردگار! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ ایمان کے لئے پکار رہا تھا (یعنی) اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔''

انسان کو جو فہم اور شعور عطا کیا گیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ وہ کائنات کی پہنائیوں کو بنظر غائر دیکھے۔ اس طرح اُس کو معرفت حق حاصل ہوگی اور وہ اس لامحدود کائنات کے خالق کی عظمت جان لے گا۔ ایسے ہی لوگوں کا یہاں تذکرہ ہے کہ وہ کھڑے' بیٹھے اور لیٹے غرض ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہوئے وہ حقیقت حال سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بیکار تو پیدا نہیں کیا۔ پھر اُن کا ذہن لازماً اس طرف جائے گا کہ ہم کیوں پیدا کئے گئے ہیں؟ ہماری پیدائش کی بھی ضرور کوئی غرض و غایت ہے۔ یہ تو نہیں کہ بس اس زندگی میں انسان کھائے پیئے' اولاد جنے' جس طرح کے عمل اُس کا جی چاہے کرے اور پھر ایک دن مر کر مٹی ہو جائے۔ یقیناً یہاں سوچ میں کمی رہ گئی ہے۔ کیونکہ انسانی اعمال کے نتیجے نکلنے چاہئیں۔ یہاں نیکوکار لوگ ہیں جنہیں اس زندگی میں اپنی نیکی کا بدلہ نہیں ملتا بلکہ اکثر خدا ترس اور تقویٰ شعار لوگ تنگدستی کا شکار رہتے ہیں اور مشکلات میں گھرے رہتے ہیں' جبکہ کچھ لوگ بدکردار ہیں جن کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں کوئی تمیز نہیں' اپنی مرضی کی زندگی گزارتے ہوئے بس عیش و عشرت میں پڑے رہتے ہیں اور اُن کو اپنی بدکرداری کا اس دنیا میں کوئی بدلہ نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ کوئی اور زندگی ہونی چاہئے جہاں بھرپور بدلہ ملے اور مکافات عمل ہو کر رہے۔ اچھوں کو اچھائی کا بدلہ ملے اور ظالموں کو ظلم کی سزا ملے۔ چنانچہ ایسے لوگ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو ہر نقص و عیب سے پاک ہے' تو نے ضرور بروں کے لئے عذاب تیار کر رکھا ہے۔ تو ہمیں اگلی زندگی میں آگ کے عذاب سے بچا لے۔ اے اللہ! جس کو تو نے آگ میں داخل کر دیا اسے تو رسوا کر دیا پھر ایسے ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔ جب انسان غور و فکر کے نتیجہ میں یہاں تک پہنچ کر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت حاصل کر لیتا ہے اور پھر کسی نبی کی آواز اور رسول کی پکار اُس کے کانوں تک پہنچتی ہے تو وہ اسی وقت لبیک کہتے ہوئے اسے قبول کر لیتا ہے' جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثال ہے کہ وہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت تک تو خود پہنچ چکے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت ملی تو فوراً اُس کو قبول کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ چنانچہ جس سلیم الفطرت انسان کے سامنے کسی نبی کی دعوت آئے گی تو اُس کا ردعمل یہی ہوگا کہ وہ پکار اٹھے گا: اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک ندا کرنے والے کی پکار کو سنا' وہ ایمان کی صدا لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ' تو اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے۔ ایسے انسانوں کو اپنی کوتاہیوں اور عمل کی تقصیروں کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنے رب کے سامنے اس طرح التجا کرتے ہیں: اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر دے' نامہ اعمال کے دھبے اور کردار کے داغ دھو کر صاف کر دے اور ہمیں اپنے نیکوکار' مقبول اور وفادار بندوں کے ساتھ وفات دیجئے۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

اقامتِ دین سے انحراف کی سزا

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْهُ فَتَدْعُوْنَهٗ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ) (ترمذی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے (اے امت مسلمہ!) تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو' ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ایسے (خطرناک) عذاب میں مبتلا کر دے گا کہ اس سے نجات پانے کے لئے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے مگر وہ تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کرے گا۔''

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

جلد	14 تا 20 اپریل 2005ء	شمارہ
14	4 تا 10 ربیع الاول 1426ھ	13

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت

سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 03-5869501

قیمت فی شمارہ: 5 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک.....250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
چیک' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
☆.☆.☆
''ادارہ'' کا تمام مضمون نگار حضرات کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

گرانی: اصل سبب

1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف نو ستاروں کی تحریک کو اگرچہ نظام مصطفیٰ کا لیبل لگا کر عوام کے دینی جذبات میں ہیجانی کیفیت پیدا کی گئی تھی اور لوگ جان و مال کی قربانی دینے پر تیار ہو گئے تھے' لیکن اس موقع پر قومی اتحاد نے دنیوی لحاظ سے بھی عوام کو ایک دلکش نعرہ دیا تھا کہ ''اشیائے ضرورت کی قیمتوں کو 1970ء کی سطح پر لایا جائے گا''۔ ہماری نظر میں لوگ اگر لاٹھی اور گولی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے تو اس کی ایک وجہ یہ نعرہ بھی تھا۔ بلاسوچے سمجھے اور کسی باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر ملکی صنعت تو میانے اور کرنسی میں ایک سو چالیس فیصد کمی کرنے کے احمقانہ فیصلے سے سات سالوں میں اشیائے ضرورت کی قیمتوں کا گراف بہت اونچا چلا گیا تھا۔ یہ گرانی عوام کی برداشت سے باہر ہو گئی تھی لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ نو ستارے جب ضیاء حکومت کے نورتن بنے تب بھی گرانی کے گراف نے بلندی کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

رہ گیا سوال نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کا تو ضیاء دور میں لیپا پوتی اور بعض نیم دلانہ اقدام کے سوا کچھ نہ کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام دشمن عناصر کو دریدہ دہنی کا موقع ملا۔ نفاذِ اسلام کے حوالہ سے تو قارئین ندائے خلافت بخوبی آگاہ ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ایک طے شدہ منہج کے تمام مراحل سے گزرے بغیر حقیقی معنوں میں اس منزل کو پانا ممکن نہیں' فی الوقت اس گرانی کا ذکر کرنا مقصود ہے جو آج اہل پاکستان کے لئے کمر توڑ ثابت ہو رہی ہے' اور تحریک نظامِ مصطفیٰ کا حوالہ اس لئے دیا کہ محض اسلام کا نعرہ لگا دینے سے خلقِ خدا کے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ محسنِ انسانیت آقائے دو جہاں حضور ﷺ نے اہل ایمان کو صرف مراسم عبودیت ہی کی تعلیم نہیں دی بلکہ دورِ جاہلیت کے نظام کہنہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور سیاسی و معاشی لحاظ سے ایک ایسا نیا نظام دیا جس نے استحصالی قوتوں کا راستہ مکمل طور پر بند کر دیا۔ موجودہ دور میں مہنگائی اور گرانی کا واویلا کرتے ہوئے ہم بڑے بھولپن کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ صرف افراد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ یقیناً افراد بھی آج اہل پاکستان کی کمر پر گرانی کا تازیانہ برسانے کے ذمہ دار ہیں' لیکن اصلاً تو یہ اُس سرمایہ دارانہ نظام کی ''برکات'' ہیں جس کی بنیادی تھیوری یہ ہے کہ کروڑوں کا خون نچوڑ دو اور اسے درجنوں یا زیادہ سے زیادہ سینکڑوں کی رگوں میں انجیکٹ کر دو۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ حکمران اور معاشرہ اگر کرپٹ ہو گا تو یہ نظام آدم خور بن جائے گا اور انسانوں کی بدترین ایذا رسانی کا باعث بن جائے گا۔ لہٰذا اصل ضرورت اس انتہائی استحصالی نظام کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کی ہے۔ بدقسمتی سے انسان نے خدا اور وحی سے آنکھ بند کی ہوئی ہے اور کائنات اور مادہ پر اس کی سوئی اٹک گئی ہے۔ اس کی نظر ہی نہیں سوچ اور فکر بھی حاضر و موجود تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ انسان میڈ نظاموں کے درمیان فٹ بال بن چکا ہے' کبھی ایک انتہا تک پہنچا اور کبھی دوسری کو چھو رہا تھا' سیاسی لحاظ سے قبائلی نظام سے چلا اور ملوکیت سے ہوتا ہوا مادر پدر آزاد جمہوریت تک جا پہنچا اور معاشی نظام کے حوالہ سے کبھی سرمایہ دارانہ نظام اپنی بدترین شکل میں یوں ظاہر ہوتا ہے کہ حکمران بھی کسی نہ کسی شکل میں اور کسی نہ کسی انداز میں چند سرمایہ داروں کے محتاج نظر آتے ہیں اور کبھی ایسا غیر فطری اور غیر جمہوری معاشی نظام تشکیل دیا جاتا ہے کہ انسان کے حقِ ملکیت کی مکمل طور پر نفی کر دی جائے۔ اسلام کے معاشی نظام کے مطابق سودی لین دین حرام قرار دیا گیا' سودی سرمایہ سے اشیاء کو سٹاک نہیں کیا جا سکتا۔ سٹہ بازی کی مکمل ممانعت کر دی گئی۔ سرمائے اور بچتوں پر سالانہ زکوٰۃ نافذ کر دی گئی وغیرہ۔ ان پابندیوں کے ساتھ حلال اشیاء کی کھلی اور عام تجارت کی اور حلال سرمایہ کاری اور سرمائے کے تصرف کی مکمل آزادی دے دی گئی کہ ان تبدیلیوں سے عالمی سطح پر مہنگائی دم توڑ جائے گی۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے یہاں مزید خرابی یہ ہے کہ یہاں دو واضح طبقات وجود میں آ چکے ہیں' ایک حکمرانوں کا طبقہ اور دوسرا محکوموں یعنی عوام کا طبقہ۔ حکمران تمام قدرتی' قومی وسائل پر صرف اپنا حق سمجھتے ہیں۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں غربت اس لئے زیادہ ہے کہ وسائل کی تقسیم میں ناانصافی برتی جاتی ہے۔ اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ حکمران طبقہ (چاہے وہ وقتی طور پر حکومت میں ہو یا اپوزیشن کا رول ادا کر رہے ہوں) کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ سمیٹ لیں بلا یہ کہ اُن کے بھرے ہوئے دامن سے خود ہی کچھ باہر چھلک جائے۔ اندازہ کیجئے کہ چھوٹے سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں اضافہ کے لئے جو کمیٹی گزشتہ سال کے بجٹ کے موقع پر بنائی گئی تھی وہ آج تک اپنی سفارشات پیش نہیں کر سکی' جبکہ اسمبلی ممبران کی تنخواہوں میں سال میں کئی مرتبہ اضافہ ہو چکا ہے اور اس اضافہ کے لئے حکومت اور اپوزیشن کا ایسا مثالی اتحاد سامنے آتا ہے کہ تمام مراحل ایک ہی سیشن میں طے ہو جاتے ہیں۔ پٹرول جو اشیاء کی قیمتوں کے تعین کی بنیاد ہے اس میں اضافہ اس لئے ہو رہا ہے کہ زرمبادلہ کے ذخائر کو مستحکم رکھا جائے لیکن صدر اور وزیر اعظم کے لئے حال ہی میں انتہائی قیمتی اور جدید ترین گاڑیوں کا بیڑہ غیر ممالک سے درآمد کیا گیا ہے۔ ان کی قیمت کئی ارب روپے ہے۔ اور اب ماشاء اللہ ہماری قومی اسمبلی کے سپیکر بھی ایک کروڑ ستر لاکھ کی گاڑی منگوا کر اس خصوصی مخلوق میں شامل ہو گئے ہیں جو احتساب اور ہر قسم کی پرسش سے بالاتر ہے۔

(باقی صفحہ 17 پر)

ہندی مکتب

اقبالؔ ! یہاں نام نہ لے علمِ خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لیے ایسے مقالات

بہتر ہے کہ بے چارے ممولوں کی نظر سے
پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات!

آزاد کی اِک آن ہے، محکوم کا اِک سال
کس درجہ گراں سیر ہیں، محکوم کے اوقات!

آزاد کا ہر لحظہ، پیام ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ، نئی مرگِ مفاجات

آزاد کا اندیشہ، حقیقت سے منوّر
محکوم کا اندیشہ، گرفتارِ خرافات!

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود، اِک زندہ کرامات

محکوم کے حق میں ہے یہی تربیت اچھی
موسیقی و صورت گری و علم نباتات

علامہ اقبال نے یہ نظم اگرچہ 1935ء میں اُس وقت کے سیاسی حالات سے متاثر ہو کر لکھی تھی، لیکن ابھی تک تازہ ہے، اور قیام پاکستان کے بعد، بالخصوص حالاتِ حاضرہ میں جب ہمارے سکولوں اور کالجوں کو مشرف بہ آغا خانی کیا جا رہا ہے، یہ نظم اپنی اثر آفرینی میں سہ آتشہ ہو گئی ہے۔ یہ نظم علامہ صاحب کے مجموعۂ کلام ''ضربِ کلیم'' میں شامل ہے۔ فرماتے ہیں:۔

(1) اے اقبال! ہندوستان (اور پاکستان) کے کالجوں کے طلبہ کے سامنے خودی اور اُس کے علم کا نام بھی نہ لے، کیونکہ کالجوں کے طلبہ کے لیے ایسی باتیں، ایسے مقالات اور ایسے درس موزوں نہیں ہیں۔

(2) ممولوں (غلاموں) کی نظر سے باز (آزاد قوم) کے احوال اور مقامات پوشیدہ ہی رہیں تو بہتر ہے، کیونکہ غلام اور محکوم قوم کے افراد، حاکم قوم کے جذبات اور تصورات کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔

(3) مثال کے طور پر محکوم اور حاکم کے تصورِ زماں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ چونکہ محکوم رات دن، حاکم کے ظلم رستم سہتا رہتا ہے، اس لیے زندگی کے ماہ و سال اُسے بہت طویل معلوم ہوتے ہیں۔ آزاد کا ایک لمحہ محکوم کے ایک سال کے برابر ہوتا ہے۔ حاکم چونکہ ہر وقت خوش رہتا ہے، اس لیے خوشی کی گھڑیاں اُسے بہت مختصر معلوم ہوتی ہیں۔ اس نکتے کو کسی شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے
دن عیش کے، گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

(4) آزاد حکمران قوم کا ہر لحظہ اور ہر دن اُس کے استحکام و ترقی میں اضافہ کرتا رہتا ہے، لیکن محکوم کا ہر لحظہ اور ہر دن اُس کے لیے ایک نئی مصیبت لاتا ہے اور اُس پر اخلاقی موت طاری کرتا رہتا ہے۔ یعنی دن (زماں) تو ایک ہی ہے، لیکن وہی دن آزاد کے حق میں پیامِ ابدیت اور وجہِ استقامت بن جاتا ہے، اور وہی دن محکوم کے لیے ناگہانی مصائب کا موجب بن جاتا ہے۔

(5) آزاد فرد یا قوم کے تصورات اور خیالات حقیقت پسندی کی روشنی سے منوّر ہوتے ہیں، یعنی وہ حقائق کی دنیا میں رہتا ہے اور زندگی کی حقیقتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے، لیکن محکوم کے خیالات اور تصورات محض توہمات اور خرافات کا انبار ہوتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مثلاً آزاد قوم کے افراد یہ سوچتے ہیں کہ ممکن ہے، ہمسایہ ملک ہم پر حملہ کر دے، کیونکہ اُس کا رویہ ہمارے لیے شروع ہی سے معاندانہ ہے، اس لیے ہمیں رات دن دفاع کی تیاری اور بیرونی اسلحہ حاصل کرنے میں مشغول رہنا چاہیے، لیکن محکوم قوم کے افراد رقص و سرود کی محفلوں کو گرمائے رکھتے ہیں، آرام طلبی اور عیش پسندی اُن کی عادتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

(6) محکوم اور حاکم، غلام اور آزاد میں ایک اور نمایاں فرق یہ ہوتا ہے کہ غلام قوم کے افراد کو ہر وقت اپنے مُرشدوں اور پیروں کی کرامات کی دُھن لگی رہتی ہے، اور اگر کسی زندہ پیر کی کرامات اُن کے مشاہدے میں نہیں آتی، تو پچھلے اولیائے کرام کی کرامات کا جھوٹا سچا تذکرہ سن کر ہی اپنا دل خوش کر لیتے ہیں، لیکن آزاد قوم کا ہر فرد بجائے خود ''زندہ کرامت'' ہے۔

(7) اِن باتوں کے پیشِ نظر محکوم و غلام قوموں کے حق میں خودی کے درس کی بجائے، وہی تعلیم اچھی اور موزوں ہے جو آج کل کے کالجوں میں دی جا رہی ہے، یعنی موسیقی، مصوری، فنونِ لطیفہ اور سائنس۔

منبر و محراب

آخرت کے دو انجام!

بحوالہ سورۂ قٓ .....(5)

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 25 مارچ 2005ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد فرمایا: اب تک ہم سورۃ ق کی آیت نمبر 26 تک مطالعہ کر چکے ہیں۔ لیکن آگے بڑھنے سے پہلے مضمون کو جوڑنے کے لئے سابقہ آیات کے چند مضامین کا اعادہ ضروری ہے۔ سورۂ ق کے دوسرے رکوع میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کا نفس کیا وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ یعنی انسان کے اندر جو رجحانات اور میلانات ہیں' اس کے نفس کے اندر جو شرارتیں ہیں' ان کا سب سے بڑھ کر اگر کوئی جاننے والا ہے تو وہ ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ پھر یہ بات بھی آئی کہ جو کچھ انسان کر رہا ہے اس کا ریکارڈ رکھا جا رہا ہے۔ دو فرشتے اللہ کی طرف سے مامور ہیں۔ ایک فرشتہ دائیں بیٹھا ہے اور ایک بائیں بیٹھا ہے۔ انسان جو کچھ کر رہا ہے یہاں تک کہ زبان سے کوئی لفظ نہیں نکالتا' مگر اس کی نگرانی کرنے والے بڑے چوکس چوکیدار (فرشتے) موجود ہیں۔ جن کے لئے قرآن مجید کی سورۂ انفطار میں الفاظ آئے ہیں "کراماً کاتبین" کہ یہ بڑے معزز لکھنے والے فرشتے ہیں۔ بہرکیف ایک طرف ریکارڈ تیار ہو رہا ہے۔ یہ ریکارڈ کسی اکیڈمک انٹرسٹ کے لئے نہیں محفوظ کیا جا رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی بساط سمیٹ دینے کے بعد جب کوئی نئی کائنات تخلیق کرے گا تو بعد میں آنے والوں کے لئے ایک تاریخی ریکارڈ چھوڑا جائے کہ وہ ریسرچ کریں کہ پہلے آنے والے یہ کچھ کرتے رہے۔ بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ اس ریکارڈ کی بنیاد پر محاسبہ ہونا چاہئے۔ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عیش کدہ نہیں بنایا کہ یہاں جتنے دن بھی تمہیں ملیں ان میں خوب موجیں اڑاؤ بلکہ یہ دنیا تمہارے سفر حیات کا امتحانی وقفہ ہے۔ یہاں جو اعمال کیے جائیں گے' ان کی بنیاد پر آخرت میں نتیجہ نکلے گا کہ کون کامیاب ہوا اور کون ناکام۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو اس ریکارڈ کی حاجت نہیں ہے' ہم نے جو عمل کئے ان سے اللہ خوب باخبر ہے' لیکن یہ ہماری تسلی اور اتمام حجت کے لئے ہے۔ اس کے بعد پھر نقشہ کھینچا گیا کہ اس قیامت سے پہلے ایک قیامت دنیا میں بھی آنے والی ہے' یعنی موت وہ حقیقت ہے جس کا انکار کوئی نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص اللہ اور آخرت کا انکار کر دے گا لیکن موت کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ۝﴾ (19) "یہ وہ چیز ہے جس کے ذکر سے تم کتراتے تھے" کہ خواہ مخواہ ہمارے عیش و آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ یہ چند روزہ زندگی ہے اس کو ہم عیش و آرام سے گزار لیں۔ موت کے تذکرے سے ہی کتراتا اور اگر خیال آ جائے تو ذہن سے اسے جھٹک دینا ہی ہمارا وطیرہ رہا۔ لیکن اب وہ وقت آ گیا۔ اس کے فوراً بعد اگلی آیات میں قیامت کا نقشہ کھینچ دیا گیا کہ جب انسان کی اللہ کی عدالت میں پیشی ہوگی' ایک فرشتہ اسے دھکیلتا ہوا لے جائے گا اور دوسرے کے ہاتھ میں اعمال نامہ ہوگا۔ اس وقت تمام پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور انسان عالم آخرت کے جن حقائق کا انکار کرتا تھا وہ سب اس کے سامنے ہوں گے۔ لیکن اب پچھتانے کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اس وقت فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ہر سرکش' ناشکرے' بخیل اور حد سے نکلنے والے کو جہنم میں ڈال دو۔ یہی حکم ہر اس شخص کے بارے میں بھی ہوگا جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا رکھا تھا۔

اگلی آیت میں اسی مضمون کا تسلسل جاری ہے کہ اس موقع پر گناہگاروں کا ساتھی شیطان جو دنیا میں اللہ کی یاد اور اللہ کے احکام کو نظر انداز کرنے کی سزا کے طور پر اس پر مسلط کیا تھا' انسان کے اعمال سے اپنی براءت کرے گا: ﴿قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ﴾ "اس کا ساتھی شیطان کہے گا: اے پروردگار! میں نے اس کو نہیں اُکسایا تھا"۔ ﴿وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ۝﴾ (27) "بلکہ یہ خود دور کی گمراہی میں مبتلا تھا"۔ اصل میں شیطان کا کام صرف راستہ دکھانا ہوتا ہے۔ ایک طرف انبیاء و رسل اور آسمانی ہدایت ہے جو حق بات کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ دوسری طرف شیطانی قوتیں وسوسہ اندازی کرتی ہیں لیکن انسان سرکشی پر خود آمادہ ہوتا ہے۔ شیطان برائی کو اس کے لئے خوش کن بنا دیتا ہے۔ اس کے لئے دلائل مہیا کرتا ہے۔ یعنی شیطان کا کام صرف وسوسہ اندازی کرنا ہے' وہ جبراً کسی کو گمراہی کی طرف نہیں لا سکتا۔ اسے یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ قیامت کے دن یہی بات وہ بڑا شیطان کہے گا۔ اس کا ذکر سورۂ ابراہیمؑ میں ہے۔ جب سارے مقدمات کا فیصلہ ہو جائے گا' اہل حق جنت میں پہنچ جائیں گے اور جو ناشکرے ہیں وہ جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے' وہ سب شیطان کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہوں گے کہ اس نے مروا دیا۔ پھر شیطان اپنا آخری سٹیٹمنٹ دے گا۔ ﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ﴾ جب تمام معاملات کے فیصلے ہو جائیں گے تو پھر شیطان کہے گا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ﴾ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور وہ سچا وعدہ تھا۔ ہاں کچھ وعدے میں نے بھی تم سے کیے تھے۔ کچھ سبز باغ میں نے بھی دکھائے تھے: ﴿فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ﴾ (ابراہیم:22) تو اللہ تعالیٰ کے وعدے سے تم نے اختلاف کیا اور تم پر میرا کوئی زور نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (اپنے راستے کی طرف) بلایا اور میری بات مان لی ﴿فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ تو دیکھو اب تم الزام مجھے نہ دو' اپنے آپ کو موردِ الزام ٹھہراؤ۔ تمہارے اپنے اندر شیطنت تھی۔ تم خود ناشکرا پن اختیار کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے تم نے میری بات قبول کر لی' اللہ کی بات کو رد کر دیا تو قصوروار کون؟ یہاں پر بھی وہی بات بیان ہوئی کہ وہ قرین جو مسلط کیا گیا تھا وہ اعلان بیزاری کرے گا کہ میں نے اس کو نہیں اُکسایا تھا یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا تھا۔ آگے آیا: ﴿قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ۝﴾ (28) "اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے سامنے اب یہ جھگڑا مت کرو ہم تمہارے پاس اس عذاب کی وعید بھیج چکے تھے"۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے یوں ترجمانی فرمائی

کہ یہ بک بک بند کر دو۔ میرا پیغام تم تک پہنچ چکا تھا' یہ ساری باتیں تمہیں اپنا نبیوں کے ذریعے بتا چکا تھا۔ تمہیں شیطان سے بھی متنبہ کیا تھا۔ صراط مستقیم بھی دکھائی تھی اور یہ بھی بتایا تھا کہ دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے' حساب کتاب ہوگا۔ ﴿مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِo﴾(29) "میرے یہاں بات بدلا نہیں کرتی اور نہ ہی میں بندوں پر قطعاً ظلم کرنے والا ہوں"۔ ظلم تو یہ ہوگا کہ کسی کو بتایا نہ جائے اور پھر سزا دے دی جائے کہ تم نے یہ کام اس طور سے کیوں کیا لیکن جب ہر چیز واضح ہے تو تمہارا دل بھی گواہی دیتا رہا اور پھر تم جھٹکتے رہے۔ تم نے خود ایک غلط راستے کو اختیار کیا۔ تم نے خود شیطان کو اپنا رہنما مانا۔ اللہ تو اپنے بندوں پر بال برابر بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ اب یہ تمہارے اپنے اعمال ہیں' ان کا نتیجہ تمہیں بھگتنا ہوگا۔ ﴿يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍo﴾(30) فرمایا: "ہم اس دن جہنم سے پوچھیں گے کہ کیا تو بھر گئی' وہ کہے گی (نہیں) کچھ اور بھی ہے (تو لے آؤ)"۔ اب یہ ایک اچھوتا انداز ہے۔ یہ بات سمجھانے کا کہ اُس روز انسانوں کی ایک عظیم اکثریت جہنم کے پیٹ میں اتاری جائے گی۔ کہ ہم پوچھیں گے اس دن جہنم سے کہ کیا تو بھر گئی۔ ان الفاظ میں اللہ کا غضب جھلک رہا ہے کہ ان ناشکروں کو جہنم میں دھکیلنے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی افسوس نہیں ہوگا۔ یہ اسی کے مستحق ہیں۔ یہ تو تھا اہل جہنم کا نقشہ۔ فرمایا: ﴿وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍo﴾(31) اس کے فوراً بعد جنت کا تقابل ہے۔ "قریب لائی جائے گی جنت کو متقین کے اور وہ (ان سے) زیادہ دور نہیں ہوگی"۔ یعنی متقین کو وہاں پر پہنچنے کے لئے کوئی لمبا سفر اور مشقت نہیں طے کرنی پڑے گی۔ جنت اللہ نے تیار کی ہے متقین کے لئے۔ متقی وہ شخص ہے جس کی عملی زندگی بھی اس ہدایت کے مطابق ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے اسے عطا کی۔ تقویٰ کے اندر تین باتیں' تین حقیقتیں ہیں' جو ہمارے سامنے رہنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ ہر وہ چیز جس سے اللہ نے روک دیا' اس سے باز آ جانا۔ دوسرے ہر حکم کی پابندی اور اس پر عمل کرنا۔ تیسرا یقین قلبی والا ایمان جو تقویٰ کی اصل روح ہے۔

جنت اللہ نے اہل تقویٰ کے لئے تیار کی ہے۔ وہ دن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ظہور کا دن بھی ہے۔ اس دن جو اللہ کے سچے فرمانبردار ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ خلعتوں اور نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے۔ لہٰذا آگے فرمایا: ﴿هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍo﴾(32) "یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا' اور یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو ہر وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اور جو اللہ کی حدود کی پاسداری کرنے والا ہے"۔ ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ﴾ "(اور یہ جنت ہر اس شخص کے لئے ہے) جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا ہے"۔ ﴿وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍo﴾(33) "اور وہ شخص کہ جو آیا ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا قلب لے کر"۔ ایسا قلب نہیں کہ جو غافل ہے' جس پر گناہوں کے حجابات ہیں' بلکہ وہ قلب جو براہِ راست اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ ایسے لوگوں سے کہا جائے گا۔ ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ﴾ "داخل ہو جاؤ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ"۔ تمہارے لئے اب کوئی کھٹکا نہیں' کوئی پریشانی نہیں۔ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِo﴾(34) "یہ دن ہے اب ہمیشگی کا"۔ اب جو جنت میں داخلہ ملا ہے یہ عارضی نہیں ہے۔ یہ ہمیشہ ہمیش کی جنت ہے۔ دنیا میں تمہارا قیام عارضی تھا' لیکن آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔ آگے فرمایا: ﴿لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌo﴾(35) "وہ وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر کر دیا جائے گا اور ہمارے ہاں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے"۔ اس جنت کے حوالے سے قرآن و حدیث میں جن نعمتوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہاں ایک آیت میں گویا ان سب کا خلاصہ بیان فرما دیا۔ دنیا میں تو معاملہ یہ ہے۔

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

خواہشات تو دنیا میں بہت ساری ہوتی ہیں' لیکن سب خواہشات پوری نہیں ہو سکتیں۔ لیکن جنت میں جو کچھ چاہو گے وہ پورا ہوگا۔ ﴿وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ﴾ اور ہمارے پاس اس سے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ دیکھیے دو الفاظ کے اندر جنت کی نعمتوں کو کس طور سے سمیٹ لیا گیا۔ جنت کی نعمتوں کے بارے میں سورۃ الم سجدہ میں بڑے پیارے الفاظ ہیں: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ﴾(17) کسی انسان کو نہیں معلوم کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کچھ سامان اللہ نے جنت میں چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ اس دنیا میں رہتے ہوئے انسان کے تخیل کی رسائی بھی وہاں تک نہیں ہو سکتی۔ بہرحال جہاں تک تخیل کی رسائی ہے وہ سب کچھ بھی ملے گا اور اس سے Beyond جو تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ نعمتیں بھی اللہ نے اپنے وفادار اور شکر گزار بندوں کے لئے چھپا کر رکھی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ سرپرائز کر دے گا۔ ایک نعمت کے بعد دوسری نعمت اور ہر نعمت نئی ہوگی یہ اللہ کا اپنے نیک بندوں کے لئے انعام ہے۔ آج کا مطالعہ یہاں ختم کرتے ہیں۔ آئندہ جمعہ اگلی آیات کا بیان جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

(مرتب: فرقان دانش خان)

پریس ریلیز

8 اپریل 2005ء

یہود جو سودی نظام اور سیکولرازم کے ذریعے پوری دنیا کے انسانوں کو اپنے شکنجے میں جکڑ چکے ہیں، اب یو این او کے سوشل انجینئرنگ پروگرام کے ذریعے عالم اسلام میں شرم و حیا اور خاندانی نظام کی بچی کھچی اقدار کو ختم کرنے کے درپے ہیں تاکہ مسلمان بھی یورپی اقوام کی طرح حیوان بن کر پوری طرح ان کے غلام بن جائیں۔ یہ بات بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ نوآبادیاتی نظام سے آزادی حاصل کرنے کے بعد بھی عالم اسلام کے اکثر و بیشتر حکمران ذہنی طور پر اُنہی کی غلامی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے عزائم کی تکمیل میں یہ حکمران ان کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ تاہم زیادہ افسوسناک امر یہ ہے کہ صدر مشرف ان سب حکمرانوں سے بڑھ کر یہود کے اس ایجنڈے کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں۔ چنانچہ صدر مشرف اور ان کے ہمنوا روشن خیالی کے نام پر مذہب بیزاری اور بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان میں قانون ساز اداروں اور بعض شعبوں میں جس طرح خواتین کو 33 فیصد نمائندگی دی گئی ہے اس کی مثال امریکہ، یورپ اور دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بھارت میں بھی نہیں ملتی۔ گویا صدر مشرف شاہ سے بڑھ کر شاہ کی وفاداری نبھاتے ہوئے روشن خیالی میں یہود و ہنود سے بھی آگے نکل جانا چاہتے ہیں۔ بانی تنظیم اسلامی نے کہا کہ نائن الیون کے بعد صدر مشرف نے جو یوٹرن لیا تھا وہ کسی طرح بھی ملک و قوم کے مفاد میں نہ تھا۔ اسی غلط فیصلے کا نتیجہ ہے کہ آج ہم کشمیر جیسے حساس مسئلے کو پس پشت ڈال کر بھارت کے آگے بچھے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو اپنے اس مؤقف پر ڈٹے رہنا چاہئے کہ تمام معاملات سے پہلے کشمیر کے مسئلے کو حل کیا جائے، کیونکہ اس کے بغیر بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھانا کشمیری عوام کی قربانیوں کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ سید علی گیلانی نے بھی کہا ہے کہ پاکستان کی خوش فہمی جلد ہی دور ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ بھارت ہمیں گڑ دے کر مارنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے، چنانچہ بھارت سے کوئی بعید نہیں کہ کشمیر بس سروس کنٹرول لائن کو سرحد بنانے کی سکیم ہی کا حصہ ہو۔ بانی تنظیم اسلامی نے کہا کہ موجودہ حالات میں ہماری مذہبی جماعتوں کا کردار ناقابل فہم ہے۔ دینی جماعتوں کے قائدین کو ملک میں نفاذ اسلام کے لئے متحد ہو کر تحریک چلانی چاہئے۔ لیکن متحدہ مجلس عمل مہنگائی اور جمہوریت کے نام پر تحریک چلا رہی ہے۔ ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسی وقتی تحریکوں کا نتیجہ گاؤ خورد و برخاست کے سوا کچھ نہیں نکلا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ موجودہ اسلام مخالف یلغار کا مقابلہ کرنے کے لئے دینی جماعتوں اور عوام کو اٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔ کیونکہ جب تک ہم اس معرکۂ روح و بدن میں شر کے خلاف خم ٹھونک کر سامنے نہیں آئیں گے ابلیس اور اُس کے ایجنٹ اسی طرح دندناتے رہیں گے۔

(جاری کردہ: شعبہ نشر و اشاعت' تنظیم اسلامی)

نبی ﷺ سے محبت کا اظہار کیا.....

نور الھدیٰ

ربیع الاول کا مہینہ سایہ فگن ہوتے ہی یوں محسوس ہوتا ہے گویا چمن انسانیت میں خزاں کا موسم ختم ہو گیا اور اب بہار اپنے ڈیرے جمانے کو ہے۔ ہر طرف روشنی و رنگینی کی کیفیت نظر آتی ہے۔ گلیاں' بازار' محلے' دکانیں' مساجد' سب خوبصورتی سے سجائی جاتی ہیں' مٹھائیاں تقسیم ہوتی اور محافل ومجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے' نعتیں پڑھی جاتی ہیں اور سیرت کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ غرض پورے ماحول میں نبی ﷺ کی تعریف کی خوشبو رچی بسی معلوم ہوتی ہے لیکن..... جونہی ان محافل سے فارغ ہوئے ہمیشہ کی طرح ہمارے شب و روز ایک مرتبہ پھر پہلے جیسے ہو جاتے ہیں۔ ہم ایک مرتبہ پھر طاغوتی راستوں پر چل پڑتے اور برائیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ ہمارے معمولات دیکھ کر ہماری مسلمانیت پر شک ہوتا ہے۔ اس کا واضح ثبوت ہر سال کی طرح روضہ رسولؐ کی شمعیں بنانا ہے۔ جو طوفانِ بدتمیزی اس روز ہوتی ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ نبی ﷺ کی یاد میں ہمارا روضہ رسول کی شمعیں بنا کر ان پر اونچی آواز میں بڑے بڑے ڈیکوں پر گانے اور بے ہودگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈانس کرنا اب تو ایک فیشن بن گیا ہے۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے: ''مجھے دنیا میں آلاتِ موسیقی توڑنے اور اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے''۔ اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اخلاق کی تکمیل کے لئے آئے تھے' فضول رسومات کو رواج دینے کے لئے نہیں' کیا ہمارے اخلاق کی تکمیل یہی ہے کہ ہم نبی ﷺ کے احکامات کی دھجیاں اڑا دیں۔ ہم آلاتِ موسیقی کے ساتھ اس نبی ﷺ کی آمد کا جشن منائیں' جسے آلاتِ موسیقی توڑنے کے لئے بھیجا گیا تھا' جسے قرآن کا پیغام دنیا والوں تک پہنچانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ ہم جشن میلاد النبی ﷺ تو ہر سال مناتے ہیں لیکن اس دن کے اصل پیغام سے غافل ہی رہتے ہیں۔ ہم مساجد اور بازار تو سجاتے ہیں لیکن اپنے دل کی دنیا کو پیغامِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی سے منور نہیں کر پاتے۔ ہم اپنی زبان سے محبتِ رسول ﷺ کے دعوے تو کرتے ہیں لیکن ہمارا عمل اس محبت کا اظہار نہیں کر پاتا۔ آج دنیا بے چینی کا شکار ہے' معاشرے میں بے حیائی' فحاشی اور عریانی بڑھتی جا رہی ہے اور مسلمان ذلت کی پستی کی طرف جا رہے ہیں یہ سب کچھ صرف اسی وجہ سے ہے کہ آج ہم اس پیغام سے دور ہو چکے ہیں جس نے ایسے ہی بہت سے معاشروں کو سنوارا ہے' جس نے بہت سے دلوں کی سیاہی دور کی ہے' مسلمانو! ذرا بتاؤ نبی ﷺ نے اپنی امت کے لئے کیا کچھ نہیں کیا؟ حضور ﷺ نے اپنی امت کی فکر میں اپنی ساری زندگی بسر کر دی' راتوں کی نیند قربان کر دیں' اپنی امت کی خاطر طائف میں پتھر کھائے' اپنی ہی امت کی خاطر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکالیف ومصائب برداشت کرائے' اپنی ہی امت کی خاطر آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ جب مرض الوفات میں تھے تو جبرئیل اور عزرائیل علیہما السلام آئے اور اللہ کا سلام پیش کیا اور کہا کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ دنیا میں رہنا چاہتے ہیں یا اللہ کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا کہ میں رفیقِ اعلیٰ کی ملاقات کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

خاتم الانبیاء ﷺ کی محبت کے دعویدارو! یہ تھے محسنِ کائنات کے احسانات' اتنے احسانات کے باوجود ہم نے محسنِ کائنات کو کیا صلہ دیا؟ سوائے اس کے کہ ان کی یاد میں روضہ رسول کی شمعیں بنا کر اس پر گانے لگائے اور ڈانس کر کے ان کے احکامات کی دھجیاں اڑائیں۔ وہ نبی جس نے نہ تو خود کبھی اپنی سالگرہ منائی اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی سالگرہ منائی تو پھر ہم کون ہوتے ہیں ان کی سالگرہ منانے والے؟ کیا یہی صلہ ہے نبی کی ان تکلیفوں کا؟ اگر روزِ آخرت اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے اس بارے میں ہمارا مقدمہ پیش کیا گیا تو پھر ہم ان کو کیا جواب دیں گے؟ اس روز سوائے شرمندگی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

میں ان نام نہاد محبت کے دعویداروں سے پوچھتا ہوں کہ تم کس منہ سے نبی ﷺ کی ولادت کا جشن مناتے ہو؟ کیا کبھی تم نے ان کی سنت پر عمل کیا؟ آج نماز ہم نہیں پڑھتے' قرآن پر عمل نہیں کرتے' شرعی پردہ ہمارے گھروں میں نہیں' حرام ہم کھاتے ہیں' گانے ہم سنتے ہیں' بے حیائی' فحاشی وعریانی جیسی بیماریاں ہم مسلمانوں میں ہیں۔ عزتیں مسلمانوں کی لٹ رہی ہیں' مسلمانوں سے اپنوں ہی کو قتل کروایا جا رہا ہے' کون سی برائی ہے جو ہم میں نہ ہو' پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں' اپنے نبی سے محبت کرتے ہیں' پھر کس منہ سے نبی کا جشن مناتے ہو؟ جشن منانے کے حق دار تو صرف اس وقت ہو گے جب تم اپنے نبی کے احکامات اور ان کی سنتوں کی اتباع کر لو۔ اگر اس موقع پر تم کسی ایک سنت پر بھی عمل کر لو تو تب جشن منانے کے حق دار ہو۔ کیا فائدہ ہوتا ہے صرف چند گھنٹوں کے لئے اتنی فضول خرچی کا۔ وقت بھی برباد اور پیسہ بھی ضائع' اگر یہی وقت نیکی کے کاموں میں لگا دو تو تم اجر کے مستحق' اگر یہی پیسہ تم کسی غریب' کسی بیوہ یا کسی یتیم پر لگا دو تو نجانے تمہیں کتنا اجر ملے' غریبوں کی دعائیں تمہارا مقدر ٹھہریں مگر یہ باتیں بھلا کون سوچتا ہے؟ دوسروں پر پیسہ خرچ کرنے سے جان جاتی ہے جبکہ اگر اپنے اوپر پیسہ خرچ ہو تو مسرت ہوتی ہے۔

افسوس ہے آج کے مسلمان کی حالت پر مسلمانو! آؤ اس ماہِ مبارک میں عہد کریں کہ ہم اپنی زندگیاں رسول ﷺ کے ایک ایک حکم اور طریقے کے مطابق ڈھالیں گے' ان کی سنتوں کے احیاء کے لئے اپنی زندگی وقف کر دیں گے' ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہمیشہ حق کا ساتھ دیں گے' زبان کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی خود کو عاشقِ رسول ثابت کریں گے' رب کی زمین رب کے نظام کے نفاذ کے لئے اپنی جانیں تک کھپا دیں گے' یہی نبی ﷺ کا راستہ ہے' یہی ان سے محبت کا حقیقی ثبوت ہے۔ بھائیو! ذرا ایک دفعہ ان باتوں پر عمل کر کے تو دیکھو' کتنا سکون ملے گا دل کو؟ رب کتنا خوش ہوگا؟ دوسروں کی دعا ہمارا مقدر ہوگی' پھر تم بھول جاؤ گے روضہ رسول ﷺ کی شمعیں بنانا' گانے سننا' پھولوں کی سیج سجانا۔ آؤ اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں رسول ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے' اپنی زندگیاں تعلیماتِ نبویؐ کے مطابق ڈھالنے اور خود کو اپنے عمل سے رسول ﷺ کی محبت کا اہل ثابت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین' ثم آمین۔

اس موقع پر آپ لوگ اپنا محاسبہ کریں کہ نبی ﷺ نے ہمیں جو طریقہ بتایا ہے' کیا ہم اس کے مطابق اپنے شب و روز گزار رہے ہیں؟ کیا ہم ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کر رہے ہیں' جس طریقے سے ہم نبی ﷺ سے محبت کا اظہار کرتے ہیں؟ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ ذرا دل کی گہرائی سے اس بات کو جانچ' جواب خود تمہیں مل جائے گا کیونکہ رب کو ظاہری محبت نہیں بلکہ باطنی محبت چاہئے' ہماری محبت کیسی ہونی چاہئے؟

سارے صنم مسمار کر بس اک خدا سے پیار کر
رکھ کر نبی کو سامنے تو آرائشِ کردار کر

تحریک آزادی کا آغاز

سید قاسم محمود

انڈونیشیا میں تحریک آزادی وسیع پیمانے اور منظم طور پر بیسویں صدی کے آغاز میں شروع ہوئی۔ 1905ء ایشیا کی تاریخ میں ایک انقلاب آفریں سال ہے۔ اسی سال بنگالی مسلمانوں کے مطالبے پر بنگال کی تقسیم ہوئی۔ اسی سال جاپان نے روس کو جنگ میں شکست دی۔ روس کی شکست سے ایک طرف تو مغرب کے سامراجی ممالک کے وقار پر بڑی کاری ضرب لگی۔ دوسری طرف ایشیا کے محکوم ممالک میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ مغربی استعمار کا طلسم ناقابل شکست نہیں ہے۔ چنانچہ مسلم ممالک میں بالخصوص یہ احساس قومی تحریکات کی شکل میں ظاہر ہوا' جن کا احیائے اسلام سے بھی گہرا اور قدرتی تعلق تھا۔ انڈونیشیا میں بھی ولندیزیوں سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ بڑھنے لگا۔ یہ دور آزادی کی جدوجہد کے لیے بڑا سازگار تھا۔ ولندیزی عہد حکومت میں انڈونیشیا کے تمام جزائر ولندیزیوں کے اقتدار کے تحت انتظامی طور پر متحد ہو کر قریب تر آ گئے تھے۔ اسلام کا ہمہ گیر اور مستحکم رشتہ ان میں پہلے سے موجود تھا۔ سیاسی اتحاد اور رسل و رسائل کی سہولتوں نے ان کو اور زیادہ متحد کر دیا۔ سیاسی فہم و فراست رکھنے والے لوگوں میں ایک ملک اور ایک قوم کی شکل میں متحد ہو کر جدوجہد کرنے کا خیال پیدا ہونے لگا۔ ان کے اس سیاسی شعور کو گردوپیش کے حالات نے قوی تر بنا دیا۔ انڈونیشیا کے پڑوسی ممالک میں بھی اس دور میں آزادی کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں۔ فلپائن میں آزادی کی تحریک جاری تھی۔ چین جمہوری انقلاب کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ ہندوستان میں کانگریس کے زیر اثر عام سیاسی بیداری ہو چکی تھی۔ ہندی مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے والی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہو گئی تھی۔

تحریک احیائے اسلام کا اثر

مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک میں سید جمال الدین افغانی نے ایک نئے انقلابی دور کا آغاز کر دیا تھا۔ ترکی' ایران اور مصر میں سامراج اور آمریت کی جڑیں کاٹی جا رہی تھیں۔ سید افغانی کی تحریک کے علم بردار جمہوریت' حریت اور احیاء و تجدید اسلام کا درس دے کر ہر ملک کے مسلمانوں میں قومی اور دینی بیداری پیدا کر رہے تھے۔ انڈونیشی مسلمان بڑی تعداد میں حج اور تعلیم کے لئے مکہ معظمہ جاتے تھے۔ وہاں وہ دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے مسلمانوں سے ملتے تھے اور دنیائے اسلام کی تحریکوں سے آگاہ اور متاثر ہو کر وطن واپس آتے تھے۔ پھر اپنے ملک میں ان خیالات اور نظریات کی اشاعت کرتے تھے' جن کو دوسرے ملکوں کے مسلمانوں نے قبول کر لیا تھا۔ انڈونیشیا میں دینی درس گاہیں بڑی تعداد میں تھیں' اور ان میں تعلیم دینے کے لئے مصری استاد بلائے جاتے تھے۔ مصری استاد جامعہ ازہر کے تعلیم یافتہ ہوتے تھے' اور اُس زمانے میں جامعہ ازہر کے استاد اور طلبہ جمال الدین افغانی اور محمد عبدہٗ کی تحریکوں کے پُرجوش مبلغ تھے چنانچہ ان مصری اساتذہ نے انڈونیشیا کے دینی اداروں اور مدرسوں میں بھی حریت' جمہوریت اور احیائے اسلامی کی تحریک پھیلا دی تھی۔

انڈونیشی طلبہ بھی جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے مصر جاتے تھے اور یہ دیکھتے تھے کہ نہ صرف ازہر بلکہ پورے مصر پر جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے نظریات چھائے ہوئے ہیں اور یہ لوگ سامراج اور مطلق العنانی ختم کرنے اور اسلامی تعلیمات کی اساس پر' عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک ترقی پذیر نظام تشکیل دینے کی جدوجہد کر رہے ہیں' تو وہ اس کا گہرا اثر قبول کر لیتے تھے' اور جب انڈونیشیا واپس آتے تو اپنے وطن میں بھی اسلامی دنیا کے نئے رجحانات کی اشاعت کرنے لگتے تھے۔ اس طرح آزادی کی وہ تحریک جو مصر' ترکی' ایران' ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کے تمام ممالک میں پھیل گئی تھی' رفتہ رفتہ اُس کے اثرات انڈونیشیا میں بھی پھیلنے لگے' جہاں پہلے سے تحریک جاری تھی۔

مغربی تحریکوں کے اثرات

جمال الدین افغانی کی اتحادِ اسلامی کی تحریک سے ولندیزی بہت خوفزدہ تھے اور انڈونیشیا کو اس تحریک سے محفوظ رکھنے کے لئے انہوں نے مغربی نظریۂ قومیت کی اشاعت کرنے اور مغربی تعلیم کو ترقی دینے کی تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ انڈونیشی امراء و رؤسا کو یہ ترغیب دی گئی کہ وہ اپنے لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے مصر یا ترکی کے بجائے ہالینڈ بھیجا کریں' لیکن یہ طلبہ جب ہالینڈ گئے تو یورپ کے جمہوری اور اشتراکی تصورات' سامراج کے مخالف نظریات' مغربی تصور قومیت اور مختلف ممالک کی قومی تحریکوں سے بخوبی واقف ہو گئے۔ چنانچہ اُن کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اپنے ملک میں بھی ان تحریکوں کی اشاعت کریں۔ اور اہل انڈونیشیا میں قومی احساس' سیاسی شعور اور آزادی کا جذبہ پیدا کر کے ولندیزی سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ ان مقاصد کے لئے انڈونیشی طلبہ نے رفتہ رفتہ ہالینڈ میں بھی قومی آزادی کی جدوجہد شروع کر دی' اور جب وطن واپس ہوئے تو قومیت اور آزادی کی اساس پر کئی تحریکیں چلانے لگے۔ انڈونیشی خود سرمایہ دار نہ تھے' لیکن ان کو سیاسی اور معاشی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے والے ولندیزی اور ان کے کارندے چینی سرمایہ دار تھے اور اُن کی یہ سرمایہ داری انڈونیشی عوام کا مکمل استحصال کر رہی تھی۔ چنانچہ قدرتی طور پر تعلیم یافتہ اور حساس انڈونیشی نوجوانوں میں سرمایہ داری کے خلاف شدید جذبۂ منافرت پیدا ہو گیا تھا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اشتراکیت سے بہت متاثر ہوئے اور اشتراکیت کو ولندیزی سامراج اور سرمایہ داری کی جڑیں کاٹنے کا ایک کارگر حربہ سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس طرح ولندیزیوں کی تدبیریں الٹی ہو گئیں۔ اہل انڈونیشیا میں اسلامی تحریک جن اسباب کے تحت مقبول ہوئی تھی' وہ برقرار رہے اور یہ تحریک بھی بدستور جاری رہی' لیکن اس تحریک کو کچلنے کے لئے ولندیزیوں نے جو تدبیر اختیار کی' اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انڈونیشیا کی تحریک آزادی میں نوجوان لیڈروں کا وہ گروہ بھی نمایاں حصہ لینے لگا جو ولندیزیوں کی سیاست کاری کا جواب خود اُن کے سیاسی حربوں سے دینے لگا تھا۔

ولندیزی سامراج کے خلاف جذبہ

انڈونیشیا میں ولندیزیوں کی جابرانہ پالیسی عام بے چینی کا سب سے بڑا سبب تھی۔ انڈونیشی محبانِ وطن شدت سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ ولندیزی حکومت اُن کا ملک تباہ کر رہی ہے۔ یورپی سرمایہ داروں کے وسیع کاروبار' انڈونیشی مزدوروں کی معمولی اجرت' جبری کاشت کے تباہ کن نظام' افلاس زدہ کاشت کاروں کی اپنی زمینوں سے محرومی' چینی ساہوکاروں کی تباہ کاری' خارجہ تجارت پر ولندیزیوں اور داخلی تجارت پر چینیوں کی مکمل اجارہ داری' بھاری محصولات اور بیگار کی وجہ سے اہل ملک کی معاشی حالت تباہ ہو گئی ہے۔ ولندیزی حکومت کی مطلق العنانی' گورنر جنرل اور دوسرے افسروں کے لامحدود اختیارات' ریاستی حکمرانوں کی سرپرستی' نئے امراء کی خودغرضی اور سیاسی حقوق اور سرکاری ملازمتوں سے انڈونیشی عوام کی محرومی نے سیاسی ترقی کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ ولندیزیوں اور انڈونیشیوں کے لئے الگ الگ عدالتوں کے قیام' دونوں کے لئے الگ قانون اور سزاؤں نے انصاف اور قانونی مساوات کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ ولندیزیوں اور انڈونیشیوں

کے درمیان معاشرتی تفریق نے اہل ملک میں احساس کمتری پیدا کر دیا ہے۔ تعلیم سے اہل ملک کی محرومی نے حالات کو بہتر بنانے کے امکانات مسدود کر دیئے ہیں' اور حکومت کی سرپرستی میں اور سیاسی مقاصد کے تحت عیسائیت کی تبلیغ نے مذہبی اختلاف و انتشار کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ ولندیزی حکومت کی اس پالیسی کے تباہ کن نتائج سے انڈونیشیا کے تمام جزائر متاثر ہوئے تھے۔ اس لئے ولندیزی سامراج سے نجات حاصل کرنے کا جذبہ بھی ہر جگہ پیدا ہو گیا تھا اور ولندیزیوں کے خلاف اس مشترکہ جذبے سے بھی آزادی کی تحریک کو ملک گیر بنانے میں بڑی مدد ملی۔

ولندیزیوں کی مذہبی پالیسی کے نتائج

انڈونیشی رہنماؤں کے نزدیک سب سے زیادہ خطرناک ولندیزیوں کی مذہبی پالیسی تھی۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد 90 فیصد سے زیادہ ہے۔ انڈونیشی رہنما خوب جانتے تھے کہ انڈونیشیا میں سیاسی بیداری اور اتحاد پیدا کرنے کا ذریعہ اسلام اور صرف اسلام ہے' کیونکہ اسلام ہی وہ ذریعہ ہے جو ہزار ہا میل کے رقبے میں بکھرے ہوئے سینکڑوں جزائر کے باشندوں کو متحد کر کے اُن میں مرکزیت پیدا کر سکتا ہے' لیکن ولندیزیوں نے انڈونیشیا پر اپنی گرفت کو مضبوط اور مستقل بنانے کے لئے عیسائیت کی تبلیغ و سرپرستی کی جو پالیسی اختیار کی ہے' وہ اسلامی رشتے کو توڑ کر دینی اور معاشرتی انتشار پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے گی۔ ولندیزی اپنی مذہبی پالیسی پر بہت عرصے سے عمل کر رہے تھے اور اہل انڈونیشیا اس کے خطرناک نتائج دیکھ رہے تھے۔

چنانچہ 1901ء میں جب ہالینڈ میں برسراقتدار کیتھولک پارٹی نے یہ اعلان کیا کہ ولندیزی حکومت انڈونیشیا میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے والوں کی پوری مدد کرے گی اور نئے عیسائیوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دے گی تو انڈونیشی رہنماؤں نے دین اسلام اور وطن کے لئے شدید خطرہ محسوس کیا اور اس سے محفوظ رہنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ اُس سال یہ لوگ جب حج کے لئے مکہ گئے تو وہاں دوسرے ممالک کے ممتاز مسلمانوں سے مشورہ کیا اور آخرکار یہ طے ہوا کہ انڈونیشیا میں عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت کو ہر ممکن طریقے سے روکا جائے اور ولندیزیوں کی مذہبی پالیسی سے اسلام اور مسلمانوں کو جو خطرہ لاحق ہو گیا ہے' اُس سے انڈونیشی عوام کو آگاہ کر کے اُن میں قومی اتحاد اور سیاسی بیداری پیدا کی جائے۔ چنانچہ اس خطرے کے انسداد کے لئے ایک موثر پروگرام بنایا گیا اور اس پر عمل ہونے لگا۔ مسجدوں' خانقاہوں' مدرسوں اور ہر قسم کی محفلوں میں جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے' اُن کو حکومت کی مذہبی پالیسی کے خطرات سے آگاہ کیا جاتا' اور اس کے انسداد کے لئے مسلمانوں کے متحد اور منظم ہونے کی ضرورت واضح کی جاتی۔ اس مہم کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے ہر طبقے میں اسلام کی حفاظت کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا اور اس جذبے نے اتنی ترقی کر لی کہ آخرکار اسی بنیاد پر انڈونیشیا میں بڑی اہم اور ملک گیر اسلامی تحریکیں شروع ہو گئیں۔ ملک کی تقریباً تمام جماعتوں نے اسلامی نظام کے احیاء و تجدید کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ اس نصب العین کے تحت جو سیاسی شعور پیدا ہوا' اس سے انڈونیشیا کی تاریخ میں قومی آزادی کی جدوجہد کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور آخرکار انڈونیشی رہنما اور عوام اپنے ملک کو ولندیزی سامراج سے آزاد کرانے میں کامیاب ہوئے۔

تحریک آزادی کا تقاضا: تعلیم اور تنظیم

ولندیزیوں کے خلاف جاوا اور سماترا میں مجاہدین کی زبردست تحریک شروع ہوئی جو مسلمانانِ ہند کی تحریکِ آزادی کی مانند ایک صدی سے زیادہ جاری رہی۔ اس تحریک کی بار بار ناکامی نے محبانِ وطن کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ موجودہ حالات میں محض تلوار کے زور سے ولندیزیوں کو نکالنا ممکن نہیں ہے۔ آزادی کے راستے میں حائل مشکلات اور انڈونیشیا کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک ساری قوم متحد نہ ہو جائے اور عوام کے دلوں میں بھی حصولِ آزادی کا جذبہ پوری طرح بیدار نہ ہو جائے اور وہ حصولِ مقصد کے لئے منظم طور پر جدوجہد نہ کریں' ولندیزی قبضے سے نجات حاصل کرنا ممکن نہیں۔ لیکن سوال یہ تھا کہ قوم میں اتحاد' تنظیم اور بیداری کیونکر پیدا کی جائے۔ سیاسی جدوجہد بڑی موثر تدبیر ہو سکتی تھی' لیکن انڈونیشی عوام پر حکومت نے یہ راستہ بند کر رکھا تھا۔ 1852ء کے قانون نے انڈونیشیا میں سیاسی جماعتوں کا قیام ممنوع قرار دے رکھا تھا۔ ولندیزی ہر اُس تحریک اور ادارے کو بڑی سختی سے کچل دیتے تھے' جس میں سیاست کا ذرا بھی شائبہ ہوتا تھا۔ ان دشوار حالات میں بڑے غور و فکر کے بعد محبِ وطن لیڈر اس نتیجے پر پہنچے کہ عوام میں قومی اور سیاسی شعور پیدا کرنے اور اس کو ترقی دے کر ولندیزی اور سامراجی غلامی سے آزاد ہونے کا موثر ترین ذریعہ "تعلیم اور تنظیم" ہے۔

حاجی وحی الدین

ان محبِ وطن رہنماؤں میں سب سے ممتاز حاجی وحی الدین تھے جو جدید قومی تحریک آزادی کے پہلے رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ وہ 1857ء میں ایک دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کالج میں طب کی تعلیم حاصل کی اور اس پیشے میں بڑی کامیابی اور شہرت حاصل کی۔ حاجی صاحب کے دل میں اسلام اور وطن کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قوم کی تباہی' جہالت اور افلاس سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے' اور قوم کو اس پسماندگی سے نکالنے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے۔ آخرکار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ موجودہ حالات میں ملک کی سب سے بڑی ضرورت تعلیم کی اشاعت ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک وسیع تعلیمی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور ولندیزی اربابِ حکومت کے سامنے دیسی ترقی اور اشاعت تعلیم کی تجاویز پیش کیں' لیکن ولندیزیوں نے ان کو قبول نہ کیا۔ آخرکار انہوں نے خود یہ کام شروع کر دیا۔ معاشرتی اصلاح' معاشرتی ترقی اور تعلیم کی اشاعت کے بارے میں اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے انہوں نے ایک رسالہ "اطلاعات" جاری کیا اور عوام تک اپنے خیالات پہنچانے کے لئے انہوں نے 1907ء میں پورے جاوا کا دورہ کیا اور ہر قصبے اور گاؤں میں جا کر تعلیم کی اہمیت' معاشرتی اصلاح اور اقتصادی ترقی کی ضرورت واضح کی' لیکن عوام کی حالت اس قدر پست تھی کہ اس پر انہوں نے عملی توجہ نہ کی۔

راون سوتومو

حاجی وحی الدین کی مساعی میں اُن کے دستِ راست ڈاکٹر راون سوتومو تھے جو آگے چل کر ایک بڑے انقلابی لیڈر ثابت ہوئے۔ ڈاکٹر سوتومو 1888ء میں ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد نے ان کی دینی تربیت اور اعلیٰ تعلیم پر خاص توجہ کی اور وہ ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد میڈیکل کالج میں داخل ہو گئے' جہاں وہ ڈاکٹر وحی الدین کے خیالات سے بہت متاثر ہوئے اور ان کی تحریک میں نمایاں حصہ لینے لگے۔

ڈاکٹر سوتومو ولندیزی سامراج کے بڑے مخالف تھے اور آگے چل کر انہوں نے ایک جماعت قائم کر کے ولندیزیوں کے خلاف تحریک چلائی اور قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کیں' لیکن اپنے مقصد پر ثابت قدمی سے جمے رہے اور عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے لئے آخر وقت تک کام کرتے رہے۔

بودی اوتومو (Boedi Oetomo)

حاجی وحی الدین نے ڈاکٹر سوتومو کے تعاون سے میڈیکل کالج کے طلبہ کو منظم کیا اور 20 مئی 1907ء کو (آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے ایک سال بعد) ایک جماعت "بودی اوتومو" کے نام سے قائم کی' جس کو انڈونیشی عوام کی قومی بیداری کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ بودی اوتومو (حیاتِ عالیہ) کے قیام سے انڈونیشیا میں تحریک آزادی نے پہلی بار ایک منظم صورت اختیار کی۔ اکتوبر 1907ء میں جوگجاکارتا میں اس جماعت کی پہلی قومی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں حاجی وحی الدین اس کے صدر اور ڈاکٹر سوتومو جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ چونکہ ملک میں سیاسی جماعتوں کا قیام قانوناً ممنوع تھا' اس لئے یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ جماعت غیر سیاسی ہے اور خالص تعلیمی جماعت ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تعلیم کا فروغ ہے (سرسید کی آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرح)۔

(جاری ہے)۔

افغانستان میں طالبان کا نظریہ اور ان کی یاد اب بھی موجود ہے

اسلام سے زیادہ وسیع النظر، فراخ قلب اور کشادہ دل مذہب کوئی نہیں

ایم ایم اے اگر صرف سیاسی ایشوز میں پڑی رہی تو نہ صرف ملک کو بلکہ خود انہیں بھی نقصان ہوگا

ان شاء اللہ ہم اس ملک کے نظام کو اسلامی نظریات کے مطابق ڈھالنے میں کامیاب ہو جائیں گے

امریکہ جیسی جمہوریت میں دوبار بش کا منتخب ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ جمہوریت ہمیشہ اچھے لیڈر نہیں لاتی

صدر مشرف کو نائن الیون کے بعد امریکی مطالبات کے سامنے فوراً سر تسلیم خم نہیں کرنا چاہئے تھا

ہمارے حکمران روشن خیالی کے نام پر مغرب اور ہندو تہذیب کو اپنے اوپر مسلط کر رہے ہیں

مستقبل قریب میں ایران پر امریکی حملے کا کوئی اندیشہ نظر نہیں آتا

معروف کالم نگار اور دانشور جناب عرفان صدیقی سے ندائے خلافت کا خصوصی انٹرویو

انٹرویو پینل: وسیم احمد ـــــ فرقان دانش خان

سوال: اگرچہ نوائے وقت کے کالم "نقش خیال" کی وجہ سے آپ کا عوام میں وسیع تعارف ہے۔ لیکن براہِ کرم قارئین ندائے خلافت سے اپنا تفصیلی تعارف کروادیں؟

جواب: مختصراً تعارف یہ ہے کہ میری پیدائش دسمبر 1943ء کو راولپنڈی کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی۔ میں نے پرائمری اور مڈل کی تعلیم اپنے گاؤں کے ایک سکول میں حاصل کی۔ 1958ء میں والدین کے ہمراہ راولپنڈی شفٹ ہو گیا۔ یہاں میں نے میٹرک کیا۔ ہماری فیملی بہت ہی کم وسائل میسر ہونے کے باوجود عزت کی زندگی گزار رہی تھی ان کے پاس وسائل نہیں تھے کہ مجھے آگے پڑھاتے۔ چنانچہ میٹرک کے بعد میں نے پرائمری ٹیچنگ کا ایک کورس کیا اور ایک سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اپنے شوق سے میں نے ایف اے کیا۔ پھر بی اے اور ایم اے اردو کا امتحان دے کر لاہور میں بی ایڈ میں داخلہ لیا۔ یہ 1969ء کی بات ہے۔ ان دنوں ایوب خان کے خلاف ایک تحریک چل رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو اس کی رہنمائی کر رہے تھے۔ ہوتا یہ تھا کہ سکول کالج کھلتے اور بند ہو جاتے تھے جب کالج بند ہوتے تھے تو پنڈی چلا جاتا تھا۔ جب پنڈی سے یہاں آتا تو پتا چلتا تھا کہ دو دن کے لئے تعلیمی ادارے پھر بند ہو گئے۔ یہ واقعہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ جب میرے داخلے جانے لگے تو آٹھ دس لڑکوں کا داخلہ پرنسپل صاحب نے روک لیا ان میں میرا نام بھی تھا کہ آپ کے لیکچرز پورے نہیں ہو رہے ہیں۔ میں پریشان ہو گیا تاہم ہمارے اردو کے پروفیسر اختر الحسن بھٹی مرحوم نے میری درخواست پر پرنسپل الطاف حسین سید صاحب سے بات کی۔ تھوڑی سی جرح کے بعد وہ میرا داخلہ بھیجنے پر رضامند ہو گئے۔ پھر میں نے سنجیدگی سے ایک مہینہ پڑھائی کی اور امتحان دے دیا۔ امتحانوں سے فراغت کے بعد دوبارہ پرائمری سکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ رزلٹ آیا تو لکھا تھا کہ مسٹر عرفان صدیقی نے 821 نمبر لے کر پنجاب یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس موقع پر اردو کے پروفیسر بھٹی صاحب نے پرنسپل صاحب سے کہا کہ یہ وہی لڑکا ہے جس کا داخلہ آپ نے روک لیا تھا۔ جب پرائمری سکول والوں کو پتا چلا کہ میں نے ٹاپ کیا ہے تو انہوں نے پروموشن لسٹ میں میرا نام کافی نیچے ہونے کے باوجود اس پر فارمنس پر مجھے اَپ گریڈ کر کے 1970ء میں فیڈرل گورنمنٹ سرسید سکول اینڈ کالج میں بھیج دیا۔ 1974ء میں کالج میں ایک لیکچرر کی پوسٹ خالی ہوئی۔ تو خوش قسمتی سے میں اس کے لئے منتخب ہو گیا۔ 1989ء میں میں وہاں پڑھاتا رہا۔ 1989ء میں میری ملازمت کے 25 سال پورے ہو چکے تھے۔ اس وقت میری عمر 45'46 سال تھی۔ میں نے ریٹائرمنٹ لے لی پھر صحافت میں آ گیا۔ کچھ عرصہ مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے ساتھ "زندگی" اور "قومی ڈائجسٹ" سے منسلک رہا۔ پھر آٹھ دس سال میرا طویل تعلق صلاح الدین شہید صاحب کے ساتھ ہفت روزہ "تکبیر" سے رہا۔ جنوری 1998ء سے تین ساڑھے تین سال میں صدر محمد رفیق تارڑ صاحب کا پریس سیکرٹری رہا۔ 2001ء میں میں نے وہاں سے فراغت لی۔ ستمبر میں یہ نائن الیون کا واقعہ ہوا اور ستمبر ہی کی 20'21 تاریخ کو میں نے نوائے وقت میں لکھنا شروع کیا اور یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے۔

سوال: آپ کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ بیان بھی دی ہے

اور قوتِ تحریر بھی آپ کو ذاتی طور پر کون سا ذریعۂ اظہار پسند ہے؟

جواب: میں ذاتی طور پر لکھنے والا آدمی ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ تقریر میرا میدان کبھی نہیں رہا ہے۔ اور مجھے اس پر اتنی گرفت بھی نہیں لیکن اللہ کا کرم ہے کہ اس کالم کی وجہ سے جو پذیرائی ہوئی اور مجھے بہت سی جگہوں پر جانا بھی پڑتا ہے۔ بولنا بھی پڑتا ہے تو مجھے کوئی ایسی مشکل محسوس نہیں ہوئی لیکن جہاں تک پسند کا تعلق ہے میں تحریر کو تقریر سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

سوال: آپ کے کالموں میں ادبی رنگ زیادہ ہوتا ہے جبکہ تجزیہ کا درجہ ثانوی محسوس ہوتا ہے؟

جواب: اصل میں تحریر آپ کے گردوپیش کے ماحول کا بڑا اثر لیتی ہے۔ جیسے آپ بالکل آزادی کے ساتھ ایک بات کہہ دیں۔ دوسرا یہ ہے کہ جب آپ گھر کے اندر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں۔ تو اس کا رنگ اور ہوتا ہے کہ بیٹی بیٹھی ہوئی ہے' بہو بیٹھی ہوئی ہے لیکن جب دوستوں میں بیٹھے ہوتے ہیں تو آپ مختلف انداز سے بات کرتے ہیں۔ یا میٹنگ میں جاتے ہیں تو کچھ مختلف انداز سے بات کرتے ہیں۔ اسی طرح جب آمریت کا دور ہوتا ہے تو آپ کو بات بڑے ملفوف طریقے سے کہنا پڑتی ہے۔ اس کو کبھی تشبیہ میں ڈھالنا پڑتا ہے' کبھی استعارے میں۔ مجھے ایک دفعہ ایک خاتون کا فون آیا' وہ کہنے لگی آپ یہ کیوں لکھتے ہیں کہ ہم نے یہ کیا' ہم نے امریکہ کو اڈے دے دیئے۔ آپ یہ کیوں نہیں لکھتے کہ مشرف نے اڈے دے دیئے۔ آپ اپنے آپ کو کیوں شامل کرتے ہیں۔ نہ آپ نے وہ کام کیا ہے نہ آپ کے پڑھنے والوں نے اڈے دیئے ہیں۔ میں نے ان سے یہی بات کہی کہ جب کالم میں ہم کا لفظ بولتے ہیں تو سب کو پتا ہوتا ہے کہ کس طرف اشارہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آپ کسی بات کو Bluntly نہیں کہنا چاہتے تو تشبیہوں اور استعاروں کا سہارا لیتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں خود اپنے کالم کو خالص کالم کی تعریف میں نہیں رکھتا۔ جبکہ تجزیہ تو ایک بالکل مختلف چیز ہے۔ تجزیے کے اندر لفاظی' تشبیہات' استعارات اور رومانویت جیسی چیزیں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ تجزیہ میں تو حقیقت نگاری ہوتی ہے۔ اس میں استدلال کے ساتھ وہ باتیں کہنا پڑتی ہیں۔ جہاں تک میرے کالم میں ادبی رنگ کا تعلق ہے مجھے چونکہ شاعری کا بھی تھوڑا سا شوق تھا پھر میں ادب کا بھی طالب علم رہا۔ چنانچہ انہی وجوہات کی بنا پر میرے کالم میں ادبی رنگ یقیناً ہوتا ہے۔

سوال: پاکستان میں 1988ء تا 1999ء تک جمہوریت کا راج رہا۔ یہ دور جمہوری روایات کے حوالے سے قابل رشک نہیں تھا۔ نواز شریف اور بے نظیر نے بچگانہ حرکتیں کیں۔ میاں صاحب نے انہیں سکیورٹی رسک قرار دیا اور بے نظیر نے ان کا تجارتی جہاز روک لیا۔ اس وقت بھی عوامی حمایت کی حامل جماعتوں کے لیڈرز وہی ہیں ان حالات میں پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل کیا ہوگا؟

جواب: جمہوریت اپنا مستقبل خود بناتی ہے دنیا میں جہاں جہاں بھی جمہوریتیں ہیں۔ وہاں اس چیز کی کوئی گارنٹی' کوئی ضمانت نہیں ہوتی ہے کہ اچھے لیڈرز آئیں گے۔ یا یہ کہنا کہ عوام کی اکثریت ہمیشہ ٹھیک فیصلہ کرتی ہے۔ اس میں کوتاہیاں بھی ہوسکتی ہیں۔ لغزشیں بھی ہوسکتی ہیں۔ عوام کسی جذباتی لہر کا شکار بھی ہوسکتے ہیں۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے اسلام آباد میں دانشوروں کے ایک اجتماع میں یہی بات کہی تھی کہ جمہوریت اچھے لیڈر لانے میں کوئی ایسا یقینی ذریعہ نہیں ہے لیکن اس نظام کو دنیا نے مان لیا ہے اس لئے یہ چلتے رہنا چاہئے ایک وقت آئے گا کہ اس کی خامیاں دور ہو جائیں گی۔ انہوں نے بش کی مثال دی کہ امریکہ جیسی جمہوریت میں دو دفعہ بش جیسے شخص کا منتخب ہو جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ جمہوریت ہمیشہ اچھے لیڈر نہیں لاتی لیکن اس کے باوجود جمہوریت ہی وہ راستہ ہے جو ہمیں بالآخر چلانا ہے یہ میرا ایک بڑا ہی سوچا سمجھا استدلال ہے۔ کیونکہ جہاں سارا نظامِ حکومت' سارا استحکام' ساری سلامتی' سارا معاشرہ' سارا تمدن ایک شخص کی مرضی پر کھڑا ہو اور وہ شخص منظر سے ہٹ جائے اور ہمیں کچھ پتا نہ ہو کہ اب ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے تو ایسے ملک بڑے بڑے عذاب سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے میں جمہوریت کے اصولوں کی بات کرتا ہوں' شخصیات کی بات نہیں کرتا۔ نواز شریف آج ہیں' کل نہیں ہوں گے۔ بے نظیر آج ہیں' کل نہیں ہوں گی۔ ہو سکتا ہے ہمیں ان سے اچھے لیڈر مل جائیں یا ہمیں ان سے بھی برے لیڈر ملیں لیکن ہمیں ایک سلسلہ ایک نظم چلانا تو چاہئے جب ہم نے دستور بنا دیا ہے اس دستور پر ہم رضامند ہیں تو اس پر آپ عمل کریں گے تو آگے چلیں گے۔ ایک چھوٹی سی آرگنائزیشن بھی قاعدے اور دستور سے ہٹ کر چلنا چاہے تو اس میں رخنے پڑنے لگتے ہیں۔ کروڑوں کا ملک جو اجتماعی قوت ہے وہ کسی ایک شخص یا کسی ایک ادارے کی اجارہ داری میں چلا جائے اور عوام لاتعلق ہو جائیں تو وہ ملک کیسے قائم رہے گا۔ لہٰذا ہمیں شخصیات سے ہٹ کر نظریئے اور اصول کی بنیاد پر متفق ہونا پڑے گا۔ ہمیں عوام پر اعتماد کرنا چاہئے وہ ایک غلط فیصلہ کریں گے' دو غلط فیصلے کریں گے' دس غلط فیصلے کریں گے۔ آپ ذرا اپنے پڑوس میں نظر ڈالیں کبھی گلزاری لال نندہ آ جاتا ہے' کبھی شاستری آ جاتا ہے' یہ کوئی پائے کے لیڈر تو نہیں ہیں۔ من موہن سنگھ کوئی پائے کا لیڈر تو نہیں ہے آپ کے زیریں متوسط طبقہ کا لیڈر ہے لیکن وہ ملک اس لئے چل رہا ہے کہ وہاں ادارے موجود ہیں اور ادارے جمہوریت نے دیئے ہیں جب تک ہم اس طرح کا کوئی نظام نہیں بناتے بے یقینی میں بھٹکتے رہیں گے۔

سوال: آپ صدر رفیق تارڑ کے رفیق کار رہے ہیں انہوں نے صدر مشرف کی فوجی آمریت کی اس وقت تک مخالفت نہ کی جب تک مشرف صاحب نے محترم تارڑ صاحب کو ایوانِ صدر سے رخصت نہ کیا آپ نے جمہوریت پسند ہونے کے ناطے تارڑ صاحب کو 12 اکتوبر کی شب صدارت سے استعفیٰ کا مشورہ کیوں نہ دیا؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا منصب ہی نہیں تھا کہ میں انہیں مشورہ دوں میں تو ایک ملازم تھا صدر کے حلقہ مشاورت میں یا دستوری طور پر میرا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ دوسرے آپ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے کوئی مشورہ دیا بھی ہے تو کیا دیا ہے۔ کیوں نہ دیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا صدر کی اپنی صوابدید تھی' اور ابھی مجھے بہت سی چیزوں کا علم بھی ہے اور ابھی لاہور ہی کے ایک میگزین میں تارڑ صاحب کا بڑا تفصیلی انٹرویو آیا ہے۔ اس میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ انہوں نے کیوں ایسا نہیں کیا اور کیا ان کے پیش نظر تھا۔ ویسے بھی یہ سوال میرا خیال ہے ان سے ہی پوچھا جانا چاہئے۔

سوال: علامہ اقبال اور قائداعظم پاکستان کو اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال کے خطبات اور قائداعظم کی تقاریر کے بے بہا حوالہ جات ملتے ہیں۔ آپ بحیثیت تجزیہ نگار پاکستان میں اسلام کا کیا مستقبل دیکھتے ہیں؟

جواب: ہمارے خمیر کے اندر' ہمارے دلوں کے اندر اور ہماری سوچوں کے اندر اسلام کا بیج موجود ہے۔ ہماری تو آزادی ہی اسی تصور کی مرہون منت ہے ورنہ آج ہم اکھنڈ بھارت کا حصہ ہوتے ہم نے تو اسی جداگانہ تشخص اور دو قومی نظریئے کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا چنانچہ پاکستان میں آتی جاتی حکومتوں کے باوجود' نام نہاد روشن خیالی کے باوجود عوام کے اندر اسلام سے محبت جذباتی بھی ہے' ذہنی بھی ہے' فکری بھی ہے' روحانی بھی ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ نائن الیون کے بعد جتنا باہر کا دباؤ بڑھا ہے اندر کا دباؤ بھی بڑھ رہا ہے' مسجدیں ہماری آباد ہوگئی ہیں۔ چہروں پر داڑھیاں زیادہ نظر آنے لگی ہیں۔ لوگوں کی فکر کے اندر اسلام سے وابستگی میں اضافہ ہوا ہے۔ اسلام کے اور اپنی تاریخ کے بارے میں ہمارے نوجوان پڑھنے لگے ہیں۔

میں مایوس نہیں ہوں ہمارے ہاں بڑی اچھی تحریکیں ہیں جیسے ڈاکٹر صاحب کی تنظیم اسلامی ہے' جب تک اس طرح کی تحریکیں اور مفکرین موجود ہیں کسی مایوسی کی ضرورت نہیں۔ ان شاءاللہ ہم اپنے نظریئے' اپنے مذہب کے مطابق اس ملک کو ڈھالنے میں کامیاب ہوں گے۔

سوال: دینی جماعتوں کے اتحاد MMA کو گذشتہ انتخابات میں عوام نے اسلام کے نام پر ووٹ دیے کیا آپ MMA کی طرف سے ملک میں اسلامائزیشن کی کوششوں سے مطمئن ہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: اسلامائزیشن کی کوئی کوشش تو انہوں نے نہیں کی۔ ان کے اہداف سیاسی ہیں۔ ان کی ساری کاوشیں سیاسی اہداف پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ جن دینی جماعتوں سے دین کے حوالے سے ہمیں بڑی توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہو سکیں۔ اب بڑے بڑے واقعات رونما ہو جاتے ہیں ان کی طرف سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آتا۔ کوئی توانا آواز نہیں اٹھتی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہمارے ملک کے لئے اچھا نہیں ہوا۔ اگرچہ یہ ساری دینی جماعتیں یکجا ہو گئی ہیں لیکن یکجا ہونے کے بعد ان کے اہداف و مقاصد سیاسی ہو گئے ہیں۔ اس سے ان لوگوں کو مایوسی بھی ہوئی ہے جنہوں نے ان کو ووٹ دیئے تھے۔ میں ان کے اخلاص نیت پر شک نہیں کر رہا۔ توقع رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی ترجیحات کی نئے سرے سے درجہ بندی کریں گے اور ان امور کی طرف توجہ دیں گے جو ان کے دائرہ اثر میں آتے ہیں۔ لیکن اگر یہ صرف سیاست' وردی اور ایل ایف او جیسی چیزوں کے پیچھے پڑے رہے تو نہ صرف ملک کو بلکہ خود انہیں بہت زیادہ نقصان ہوگا۔

سوال: صدیقی صاحب! کیا آئندہ انتخابات میں ایم ایم اے کو عوام کا اتنا اعتماد حاصل رہے گا جتنا ان کو اب تک حاصل رہا ہے؟

جواب: یہ آنے والے دنوں پر منحصر ہے جیسا کہ خیال ہے 2007ء میں انتخابات منعقد ہوں گے۔ لہٰذا ابھی دو سال پڑے ہیں۔ لوگ دو سال ان کی پالیسیوں کا مزید جائزہ لیں گے۔ یہ کس حد تک مخلص ہیں اپنے نعروں میں اور دین کی سربلندی میں اگر ستر ہویں ترمیم سے ان کے گراف کو جو نقصان پہنچا ہے اگر یہ اس کو بحال کر لیتے ہیں' اور آگے بڑھتے ہیں تو ہو سکتا ہے ان کو پھر پذیرائی ملے لیکن اگر یہ ڈھلوان کا سفر جو شروع ہوا ہے' وہ جاری رہتا ہے تو پھر یقیناً ان کو مایوسی ہوگی۔

سوال: صدر مشرف کی کوشش ہے جیسے انہوں نے کہا بھی ہے کہ آئندہ ان لوگوں کو مسترد کر دیا جائے؟

جواب: جی ہاں ان کی پذیرائی کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی تھی کہ بڑی پارٹیوں کے لیڈر یہاں موجود نہیں تھے اب اگر ان پارٹیوں کو یہاں فری ہینڈ دیا جاتا ہے تو ان کے لئے مشکلات پیدا ہوں گی۔

سوال: صدر مشرف دینی جماعتوں کو انتہا پسند قرار دیتے ہوئے شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی اصطلاح پر بہت زور دیتے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک اسلام کا دامن روشن خیالی اور اعتدال پسندی سے خالی ہے؟

جواب: یہ تو نائن الیون کے بعد ہمارے فیصلے کے اثرات ہیں۔ ہم نے دینی مدارس کے حوالے سے پسپائی اختیار کی' ہم نے نصاب تعلیم کے حوالے سے جو پالیسی اختیار کی ہم نے اسلامی سزاؤں کے بارے میں داڑھیوں اور برقعوں کے بارے میں ایسی باتیں کہی ہیں جو اس سے پہلے نہیں کہی جاتی تھیں۔ یہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی تراکیب جو بڑی نئی نظر آتی ہیں' دراصل بڑی پرانی ہیں۔ جس روشن خیالی کی آج بات ہو رہی ہے وہ صرف ایک نعرہ ہے اور اس نعرے کی جب ہم پریکٹیکل زندگی میں Implementation دیکھتے ہیں تو وہ کہیں بسنت کی شکل میں نظر آتی ہے' کہیں راگ رنگ کی شکل میں نظر آتی ہے' کہیں نیکر پہنے ہوئے لڑکیاں دوڑ (race) لگاتی نظر آتی ہیں۔ اس کو وہ روشن خیالی کہتے ہیں' یہ روشن خیالی نہیں ہے یہ تو آپ یوں کہہ لیں کہ آپ مغرب اور ہندو کی تہذیب کو اپنے اوپر مسلط کر رہے ہیں۔ اپنے میڈیا کو اس راستے پر لگا رہے ہیں' اپنے ذرائع اور وسائل کو اس راستے پر لگا رہے ہیں۔ یہ روشن خیالی نہیں ہے۔ اسلام کے لئے روشن خیال کا لفظ کہتے ہوئے مجھے تذبذب ہوتا ہے لیکن اسلام سے زیادہ وسیع النظر اور اسلام سے زیادہ فراخ قلب' کشادہ دل مذہب کوئی نہیں ہے' فلسفہ فکر نہیں ہے' یہ ہماری چودہ سو سالہ تاریخ بتاتی ہے لیکن اگر آپ کردار' شخصیت اور سیرت کو مسخ کر کے اسے روشن خیال کہنے لگیں تو وہ روشن خیال نہیں ہو جائے گی۔

سوال: موجودہ حکومت کا Claim ہے کہ میڈیا کو جتنی آزادی موجودہ دور میں ملی ہے تاریخ پاکستان میں کسی جمہوری دور میں بھی ایسی مثال نہیں ملتی کیا آپ اس سے اتفاق کریں گے؟

جواب: میرا خیال ہے کہ ان کے اس نعرہ میں صداقت ہے۔ اس لئے کہ میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں' کافی حد تک وہ کرخت بھی ہوتا ہے' سخت بھی ہوتا ہے' لیکن ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے ہیں کہ ہم مجبور ہو جائیں کہ نہ لکھیں۔ لیکن یہ تصور کہ میڈیا پوری طرح آزاد ہے اور وہ اس پر کوئی اثر و رسوخ استعمال نہیں کرتے۔ یہ بھی شاید پوری طرح ٹھیک نہیں ہے' اخباروں کے اشتہارات کی پالیسی حکومت کے کنٹرول میں ہے۔ گزشتہ دنوں ''نوائے وقت'' کے اشتہارات بند ہوئے۔ ایڈوائس کا سلسلہ اب بھی جاری ہے اور اس میں ایک اور بات جو عام طور پر نظر انداز کر دی جاتی ہے وہ میں چاہتا ہوں کہ ضرور ریکارڈ پر آئے۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ایک جمہوری حکومت ہوتی ہے تو پریس کی آزادی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب جو جی چاہیں لکھیں جب ایک فوجی حکومت ہوتی ہے تو پریس کی آزادی پہ قدغن لگے یا نہ لگے پریس خود ہی محتاط ہو جاتا ہے۔ یعنی اگر ایک جمہوری حکمران کرکٹ بھی کھیلے تو اس کی داستانیں ہم بناتے ہیں۔ دوسرا کوئی کچھ بھی کرے گا تو ہم اس کا تذکرہ نہیں کرتے وہ جو حساس معاملات ہیں ان کی طرف پریس خود ہی نہیں جاتا۔

سوال: معاشرے میں فحاشی و عریانی پھیلانے میں اخبارات کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ یہاں تک کہ نظریہ پاکستان کے علم بردار اخبار میں بھی فلمی ہیروئنوں اور ماڈلز کے خصوصی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں۔ آپ اس برائی کے خلاف قلم کیوں نہیں اٹھاتے؟

جواب: دیکھیں' بعض چیزیں ایسی ہیں جن چیزوں سے آپ نظر چرا کر گزر نہیں سکتے۔ اب ٹیلی ویژن اگر رواج دے دیا ہے تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیمرہ نہیں ہونا چاہئے تصویر نہیں ہونی چاہئے۔ وہ تو آئے گی۔ اخبارات آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنی قیمت' لاگت اور سرکولیشن پر زندہ نہیں ہوتے۔ وہ اشتہارات پر زندہ ہوتے ہیں۔ اس میں ٹھیک ہے آپ تھوڑا سا انتخاب میں سخت ہو سکتے ہیں' درجہ بندیاں ہو سکتی ہیں ایک اخبار کہتا ہے کہ جو مرضی دیں ہم چھاپیں گے' دوسرا کہتا ہے ہماری مجبوری ہے' ہم حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے کام کریں گے' تیسرا کہتا ہے کہ ہم تصویر نہیں چھاپیں گے۔ ہمارے پاس اس طرح کے اخبارات ہیں جو تصویر نہیں چھاپتے۔

سوال: اس سلسلے میں یہ تو ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے حلقہ اثر میں اس بات پر زور دیں کہ وہ کسی ضابطۂ اخلاق کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

جواب: جی ہاں' یہ تو ضیاء الحق صاحب کے زمانے سے چیز چلی آ رہی ہے۔ وہ اکثر و بیشتر مدیران کو بلایا کرتے تھے اور پورا کمرہ اخباری تصویروں سے سجا لیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ دیکھیں آپ قوم کو کیا دے رہے ہیں۔ لہٰذا ایک ضابطہ اخلاق ہونا چاہئے اس میں کوئی شک نہیں۔

سوال: سانحہ 9/11 کے بعد ہماری حکومت نے افغانستان کے حوالے سے یوٹرن (U-Turn) لیا اور اپنے مسلمان بھائیوں کی نسل کشی کے لیے امریکہ کا

بھرپور ساتھ دیا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ صدر بش نے کہا تھا کہ ہمیں Yes یا No میں جواب چاہئے آپ ہمارے دوست میں یا دشمن اور امریکہ کا ساتھ نہ دینے والوں کو پتھر اور دھات کے زمانے میں پہنچا دیں گے Their is no grey area اس یوٹرن کی ہم اور آپ شدید مخالفت کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ ایسی خوفناک صورتحال میں اس کا متبادل کیا تھا؟

جواب: سوال یہ ہے کہ یہ مسئلہ صرف ہمارے لئے ہی نہیں پیدا ہوا تھا' بلکہ دنیا کے ایک سو نوے ممالک کے لئے پیدا ہوا تھا۔ دنیا کے ایک سو نوے ممالک کو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں یا نہیں ہیں اور سب کو دھمکیاں دی گئیں۔ ہمارے ہاں مسئلہ یہ تھا کہ کوئی جمہوری حکومت نہیں تھی۔ جمہوری حکومت کی بساط اس سے پہلے لپیٹی جا چکی تھی۔ انہیں ایک فرد سے معاملہ کرنا تھا چنانچہ فرد کو انہوں نے ٹیلی فون کیا اور فرد نے یہ کہہ دیا کہ ٹھیک ہے ہمیں سب قبول ہے۔ اب آپ کا سوال ہے کہ ہمارے پاس Alternative کیا تھے۔ ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ اس کا حتمی جواب دینا تو شاید مشکل ہو البتہ امریکہ کے تمام مطالبات اتنی آسانی سے نہیں ماننے چاہئیں تھے کیونکہ امریکہ بھی ہم سے اپنے سارے مطالبات تسلیم کرنے کی کوئی توقع نہیں رکھتا تھا۔ باب وڈورڈز کی کتاب آ چکی ہے ''بش ایٹ وار'' اس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح یہ ٹیلی فون کیا گیا اور کس طرح امریکیوں کو توقع تھی کہ ان سات میں سے چار مطالبات نہیں مانے جائیں گے۔ کولن پاول کا اپنا بیان بھی آ چکا ہے کہ مجھے توقع تھی کہ ان سات میں سے کم از کم دو رد ہو جائیں گے لیکن ہم نے ساتوں کے ساتوں قبول کر لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی گنجائش تو تھی کہ ہم دو تین مسترد کرتے۔ کوئی قیامت نہ آتی کیونکہ جو ہمیں آرڈر دے رہا تھا وہ ذہنی طور پر تیار تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ دوسرے کو اپنی فیصلہ کن حیثیت دکھا دیتے ہیں تو آپ کا کام بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب آپ یہ تاثر دے دیتے ہیں کہ میں ہی مختار کل ہوں اور میں جو فیصلہ کروں گا اس سے کوئی سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تو پھر وہ آپ کی شہ رگ پر پنجہ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ کرو۔ مثلاً رات کو انہیں فون آیا وہ کہہ سکتے تھے میں اتنا بڑا فیصلہ نہیں کر سکتا مجھے تھوڑا سا ٹائم دیں۔ مجھے فوج کو consult کرنا ہے۔ اتفاق سے اس وقت پارلیمنٹ موجود تھی۔ desolve نہیں ہوئی تھی۔ اسمبلی کو ابھی suspend کیا ہوا تھا۔ وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ عوام کی ایک اسمبلی موجود ہے میں اسے revive کرتا ہوں اس مقصد کے لئے ہم اس اسمبلی میں جاتے اور رائے لے لیتے۔ وہاں بحث و تمحیص ہوتی۔ ترکی کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ترکی کے اوپر بھی دباؤ تھا کہ ہمیں اڈے دے دو' ہمیں وہاں سے حملہ کرنا ہے۔ انہوں نے بھی کہا کہ بالکل ٹھیک ہے we agree لیکن ہمیں اسمبلی میں جانے دیں۔ پارلیمنٹ میں ڈسکس کرنا ہے' کابینہ میں ڈسکس کرنا ہے۔ انہوں نے کہا ہم دس ارب ڈالر دیں گے ترکی نے کہا دس سے تو بات نہیں بنے گی۔ ان کو راضی کرنے کے لئے تقریباً 20 ارب ڈالر چاہئیں پھر کہا پچیس ارب ڈالر چاہئیں ہوں گے۔ وہ قیمت بھی بڑھاتے گئے' وقت بھی gain کرتے گئے۔ آخر میں کہہ دیا کہ کابینہ نہیں مانتی۔ پارلیمنٹ نہیں مانتی۔ کیا ہوا کسی نے اس کو پتھر کے زمانے میں نہیں دھکیلا۔

چلیں جب آپ نے یہ طے کر لیا کہ ہمیں یہ کام کرنا ہے تو پھر ہمارے حکمرانوں کو اسی طرح کچھ باتیں اپنی بھی منوانی چاہئیں تھی۔ مثلاً یہ کہ ٹھیک ہے ہم تیار ہیں لیکن ہمارے ہاں کشمیر کا ناسور ہے یا ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کا مسئلہ ہے اور ہماری اقتصادیات کمزور ہے' تیس ارب ڈالر کا ہمارے اوپر قرضہ چڑھا ہوا ہے آپ یہ تو اتار دیں۔ یہ اعلان کر دیں تو میں قوم کو face کر لوں گا کہ ٹھیک ہے ہم نے بہت کچھ حاصل کر لیا ہے۔ لیکن انہوں نے تقریر کر دی کہ کشمیر کاز کے لئے ہم یہ فیصلہ کر رہے ہیں' ہم ایٹمی اثاثوں کے لئے فیصلہ کر رہے ہیں' ہم اپنی معیشت کی تعمیر کے لئے یہ فیصلہ کر رہے ہیں۔ اب ان تینوں کی بدحالی آپ کے سامنے ہے۔ کشمیر کاز آپ کے سامنے ہے۔ ایٹمی اثاثوں کے بنانے والوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہم سب کے سامنے ہے۔ معیشت کا حال یہ ہے کہ نائن الیون سے پہلے افراط زر 3.9 فیصد تھا۔ آج وہ 11 فیصد ہو چکا ہے۔ بے روزگاری پہلے سے بڑھ گئی ہے۔ 44 فیصد لوگ خط غربت سے بہت نیچے چلے گئے ہیں۔ بہرحال اگر یہ اچھا فیصلہ تھا بھی تو اس سے جو ثمرات کشید کئے جا سکتے تھے وہ ہم نے نہیں کئے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی ایک پولیٹکل لیڈر شپ نہیں تھی جو اس طرح کے معاملات میں اچھے فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتی۔ جو جمہوری لیڈر ہوتا ہے وہ کمزور ہوتا ہے اور کمزور آدمی ہمیشہ اپنے گھر کا دفاع اچھا کرتا ہے مثلاً میرے بیٹے کو کوئی فیصلہ کرنا ہو تو وہ کہے گا کہ میں اپنے ابو سے پوچھوں گا پھر آپ کو بتاؤں گا یہ گاڑی آپ کو دینی ہے یا نہیں دینی ہے۔ اس کو اپنی کمزوری کا احساس ہے پھر وہ کہے گا آپ مجھے پانچ لاکھ دے رہے ہیں لیکن ابو نے کہا تھا چھ سے کم نہیں بیچنی۔ چلیں آپ پونے چھ دے دیں۔ چنانچہ وہ بہتر bargainning کرے گا۔ لیکن جب ایک آدمی یہ ظاہر کرے کہ میرے حکم کے بغیر پتا بھی نہیں ہلتا تو وہ قوم اور ملک کے لئے بہت نقصان دہ ہوتا ہے۔ اگر جمہوری حکومت ہوتی تو اس فیصلے سے بھی ہم ملک و قوم کو زیادہ فائدہ پہنچا سکتے تھے۔

سوال: کیا افغانستان میں طالبان کے Revival کے امکانات ہیں؟

جواب: طالبان کوئی سیاسی جماعت یا سیاسی گروہ نہ تھا' جس طرح جماعتیں ہوتی ہیں کہ اب پیپلز پارٹی چلی گئی تو کیا آ سکتی ہے یا نہیں آ سکتی۔ وہ ایسے لوگ نہیں تھے۔ طالبان کو میں ایک فلاسفی' ایک نظریہ کہتا ہوں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ افغانستان میں جرائم میں کتنا اضافہ ہو گیا ہے۔ لیکن طالبان کو کچھ بھی آپ کہہ لیں انہوں نے دو چیزیں افغانستان کو دی تھیں' ایک امن و امان اور ایک منشیات کا خاتمہ۔ اب لوگوں کو وہ امن و امان بھی یاد آ رہا ہے ان کا عہد بھی یاد آ رہا ہے اب ان کی بہت سی خوبیاں سامنے آ رہی ہیں دراصل ان کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ دنیا بالخصوص امریکہ اور اس کا میڈیا ہر شے کو اپنے مقاصد کی عینک سے دیکھتا ہے۔ اسے صرف وہ قابل قبول ہیں جو اپنے آپ کو سرنڈر کر دیں اور اس کے اہداف و مقاصد پورا کرنے کے لئے چلنے لگیں۔ طالبان نے ایسا نہیں کیا تو انہیں تاریک خیال کہا گیا۔ بہرحال افغانستان میں اب بھی طالبان کی فکر موجود ہے۔ طالبان کا نظریہ موجود ہے' جس طرح ہمارے ہاں اس خلا کو پر نہیں کیا گیا جو دو بڑی جماعتوں نے چھوڑا تھا' نہ عوام کو ریلیف دیا گیا۔ لہٰذا دو لیڈرز جنہیں ہم اچھا نہیں سمجھتے وہ نہ صرف موجود ہیں۔ بلکہ ان کا قد پہلے سے بڑا ہو گیا ہے۔ اسی طرح افغانستان میں حامد کرزئی' ان کے ٹولے اور وار لارڈز کی لوٹ مار نے طالبان کی یاد کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ افغانستان کا مزاج اور افغانیوں کا ضمیر ایسا ہے کہ طالبان نہ سہی وہ اسلام سے زیادہ دور نہیں جا سکتے لہٰذا لیپا پوتی کا یہ سسٹم زیادہ دیر چلنے والا نہیں۔

سوال: امریکہ آج کل ایران کے ایٹمی پروگرام کو تہس نہس کرنے کے لیے من گھڑت الزامات لگا رہا ہے۔ ایسی Compain انہوں نے عراق پر حملے سے قبل بھی کی تھی۔ جنگ کے بعد Allied Forces کو عراقی عوام کی طرف سے زبردست مزاحمتی تحریک کا سامنا ہے آپ کیا سمجھتے ہیں امریکہ ایسے حالات میں ایران پر حملے کی غلطی کرے گا؟

جواب: میرا خیال ہے یہ کہنا قبل از وقت ہے اگرچہ امریکہ کے طویل تر ایجنڈے میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں وہ اسلامی ممالک جو ذرا بھی کسی حوالے سے دم خم رکھتے ہیں انہیں ختم کر دے یا ان کی قیادتیں بدل ڈالے جیسے اس نے عراق اور افغانستان میں کیا جیسے وہ ہمارے ساتھ بھی اس وقت کرے گا جب وہ یہ سمجھے گا کہ ہمارے لئے اب جو

قیادت آ گئی ہے وہ زیادہ humble یا خدمت گزار نہیں ہے۔ ایران کے ساتھ بھی وہ اس طرح کی حرکت کرے گا لیکن میں یہ نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ فوری طور پر اس پر کوئی حملہ کر گزرے گا' وہ کوشش کر رہے ہیں' یورپی یونین بھی اس میں شامل ہے۔ اس پر پابندیاں آ سکتی ہیں' دباؤ آ سکتے ہیں لیکن میرے نزدیک مستقبل قریب میں کسی حملے کا کوئی اندیشہ نظر نہیں آتا۔

سوال: قارئین ندائے خلافت کے نام کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب: ماشاءاللہ آپ بہت مثبت کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ملک وقوم کو صحیح فکر کے مطابق' صحیح اسلامی روح کے مطابق جس عمدہ طریقے سے رہنمائی دے رہے ہیں۔ وہ بڑا ہی قابل ستائش ہے اللہ تعالیٰ اس میں مزید برکت ڈالے۔ قارئین کے لئے یہی پیغام ہے کہ ہمیں اپنی فکر' اپنے فلسفے' اپنے نظریے کے اوپر استوار رہنا چاہئے۔ ہماری بنیادی قوت قرآن وحدیث اور ایمان کے اندر ہے۔ ٹھیک ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن ہمارا جو بنیادی کھونٹا ہے اگر ہم اس سے دور رہیں تو نہ تلوار کام کرے گی نہ ایف 16 کام کرے گا' نہ کوئی اور ٹیکنالوجی کام آئے گی۔ oo

دل نادان تجھے ہوا کیا ہے؟

قناعت (تھوڑا جو میسر ہے اس پر صبر واکتفا کر لینا) انسانی عظمت کا ایک حسین مظہر ہے۔ افراد واقوام کہ جو آسمان شہرت پر شمس وقمر بن کر چمکے ہیں' قناعت ان کا جوہر آبدار ہے۔ قناعت اور اخلاق کا شدید گہرا تعلق ہے۔ قناعت کا بندھن جب ٹوٹتا ہے تو اخلاق کی دنیا میں ویرانیاں چھا جایا کرتی ہیں۔ انسان کا مقصود حیات محبت ہے۔ قناعت نہ رہے تو محبت کا نام دولت پڑ جایا کرتا ہے اور جب انسان کا مقصود حیات دولت قرار پاتا ہے تو اس کی قوت تمیز سلب ہو جایا کرتی ہے۔ قناعت کا عدم اور دولت کا جنم شر کو وجود دیتا ہے۔ شر سے نفرت کا بازار گرم ہوا کرتا ہے۔ دولت انسان کو نفرتوں کے جال میں گرفتار کر دیتی ہے جہاں انسانی اخلاق سے محروم حواس باختہ منزل کی تلاش میں دیوانہ وار بھاگتا ہے مگر جال سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ حتیٰ کہ وہ آمادۂ شر فساد ہو جاتا ہے۔ پھر انسان انسان نہیں رہتا' بھائی بھائی نہیں رہتا' دوست دوست نہیں رہتا۔

(رفیق تنظیم لاہور جنوبی)

مراقبۂ موت

حضرت مجذوبؒ

موت سے ہرگز نہیں کوئی مفر!

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز حضرت مجذوبؒ کی ایک شہرۂ آفاق نظم جس میں اہل ایمان کے لئے تذکیر وموعظت اور پیغام عمل کا وافر سامان موجود ہے

(3)

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی؟ — جان ٹھہری جانے والی جائے گی!
روح رگ رگ سے نکالی جائے گی — تجھ پہ اک دن خاک ڈالی جائے گی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

توسنِ عمر رواں ہے تیز رو — چھوڑ سب فکریں' لگا مولیٰ سے لو!
گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافاتِ عمل غافل مشو!

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

بزمِ عالم میں فنا کا دور ہے — جائے عبرت ہے' مقامِ غور ہے
تو ہے غافل یہ ترا کیا طور ہے؟ — بس کوئی دن زندگانی اور ہے!

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

سخت تر امراض بھی تو سہہ گیا — چارہ گر گو سخت جاں بھی کہہ گیا
کیا ہوا کچھ دن جو زندہ رہ گیا — اک جہاں سیلِ فنا میں بہہ گیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

لاکھ ہوں قبضہ میں تیرے سیم و زر — لاکھ ہوں بالیں پہ تیری چارہ گر
لاکھ تو قلعوں کے اندر چھپ مگر — موت سے ہرگز نہیں کوئی مفر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

سر کشی زیبِ فلک زیبا نہیں — دیکھ جانا ہے تجھے زیرِ زمیں!
جب تجھے مرنا ہے اک دن بالیقیں — چھوڑ فکرِ این و آں کر فکرِ دیں!

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

بہر غفلت یہ تری ہستی نہیں — دیکھ جنت اس قدر سستی نہیں!
رہگذر دنیا ہے یہ بستی نہیں — جائے عیش و عشرت و مستی نہیں!

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

عیش کر غافل نہ تو آرام کر — مال حاصل کر نہ پیدا نام کر!
یادِ حق دنیا میں صبح و شام کر — جس لئے آیا ہے تو وہ کام کر!

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے!

(جاری ہے)

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کا ایک روزہ پروگرام

تنظیم اسلامی لاہور کا ماہانہ ایک روزہ پروگرام 6 مارچ 2005ء بروز اتوار صبح دس بجے جامع مسجد بنت کعبہ میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت و ترجمہ قرآن مجید سے ہوا۔ یہ سعادت نجمل حسن میر صاحب نے حاصل کی۔ اس کے بعد امیر حلقہ بریگیڈیئر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے رفقاء تنظیم کے اوصاف ذاتی احتسابی یادداشت اور تزکیہ نفس کے حوالے سے گفتگو کی۔ اس پروگرام کے بعد سیرت النبی ﷺ کے حوالے سے ایک مذاکرہ ہوا۔ اس مذاکرے کو رفیق تنظیم محسن محمود نے کنڈکٹ کیا۔ دس منٹ کا وقفہ ہوا۔ اس وقفہ کے دوران مطالبات دین کے حوالے سے رفقاء کو ایک سوالنامہ دیا گیا یہ جائزہ لینے کے لیے کہ کتنے رفقاء نے اس کتابچے کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کے بعد مرکزی شخصیت کے تعارف کے حوالے سے ایک پروگرام ہوا۔ اس مرتبہ مرکزی ناظم بیت المال مختار احمد خان صاحب نے اپنا تفصیلی تعارف کرایا اور رفقاء کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد منتخب نصاب نمبر 2 کے حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیات نمبر 111 کا درس جناب اقبال حسین صاحب نے دیا۔ اقبال حسین صاحب نے ان آیات میں بیان کردہ اوصاف عابدون اور حامدون رفقاء پر واضح کیے۔ نماز ظہر اور کھانے کے وقفے کے بعد پروگرام دوبارہ شروع ہوا۔ عصر سے پہلے جناب فتح محمد قریشی صاحب نے درس حدیث دیا۔ نماز عصر کے بعد جناب محمد مبشر صاحب نے رفقاء سے انذار آخرت کے حوالے سے گفتگو کی۔ اس کے بعد امیر حلقہ نے صبح وقفے کے دوران دیئے گئے سوالنامے کے حوالے سے گفتگو کی۔ بعد نماز مغرب مرکزی ناظم نشرواشاعت جناب مرزا ایوب بیگ صاحب نے جہاد فی سبیل اللہ کے موضوع پر خصوصی گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے دورِ عروج کے بعد جب زوال آیا تو بنیادی اسلامی اصطلاحات کے معنی بھی مسخ ہونے شروع ہو گئے۔ جہاد کو صرف قتال کے ہم معنی سمجھا گیا اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمان جب بھی قتال کرتے وہ جہاد سمجھا جانے لگا۔ اصل میں تو جہاد فی سبیل اللہ وہ جنگ ہے جو اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے ہو۔ نماز عشاء کے ساتھ ہی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ (مرتب کردہ: محمد یونس' حلقہ لاہور)

تنظیم اسلامی پاکستان جوہر کے زیر اہتمام تعارفی کیمپ مورخہ مارچ 2005ء

حلقہ سندھ زیریں کے زیر اہتمام تقریباً ہر قومی تعطیل کے موقع پر شہر کے کسی نہ کسی حصے میں جہاں کبھی تنظیم کا کوئی پروگرام منعقد نہیں ہوا' ایک تعارفی کیمپ منعقد کیا جاتا ہے جس کا انتظام اس علاقے کی تنظیم کے ذمہ ہوتا ہے۔ یوم پاکستان کے موقع پر ایسا ہی ایک کیمپ گلستان جوہر کے علاقے سفاری پارک کے قریب المحمد میرج ہال میں منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز صبح ساڑھے دس بجے محترم اعجاز لطیف صاحب کی گفتگو سے ہوا۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں اللہ کی راہ میں دعوت دین کے لیے نکلنے کے فضائل اور آخر میں دعوتی گشت کے آداب بیان کیے۔ اس گفتگو کے بعد ناظم حلقہ محترم انجینئر ظہیر احمد صاحب نے دس رفقاء پر مشتمل دس وفود کی تشکیل کی اور یہ وفود مقامی رفقاء جو رہبر کے فرائض انجام دے رہے تھے' علاقے میں پھیل گئے۔ یہ سلسلہ نماز ظہر تک چلا۔ نماز ظہر کے بعد طعام و آرام کا وقفہ ہوا۔ سہ پہر چار بجے چائے کے دوران وفود نے اپنے اپنے تاثرات پیش کیے۔ اس کے بعد محترم ڈاکٹر الیاس صاحب نے رفقاء کے مطلوبہ اوصاف کی تذکیر اپنے خاص انداز میں کرائی۔ نماز عصر کے بعد محترم شجاع الدین شیخ صاحب نے ''قرآن حکیم سے ہمارا تعلق اور اس کی اہمیت'' کے موضوع پر شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی وہ تمام نعمتیں جن کا ہم شمار بھی نہیں کر سکتے ہمارے لیے اس وقت نعمت کا درجہ رکھتی ہیں جب تک انسان انہیں اللہ کی ہدایت کے مطابق برتے۔ اس اعتبار سے قرآن حکیم دنیا کی عظیم ترین نعمت ہے جس کی عظمت کو اس ارشاد ربانی کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے جس میں فرمایا گیا کہ اگر ہم قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ مومن کے لیے قرآن کریم واحد پناہ گاہ ہے' اور یہ اللہ کی وہ رسی ہے جس سے چمٹ جانے کا حکم دیا گیا۔ اس کی تلاوت' اس کے احکامات پر خود بھی عمل کرنا اور دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دینا اور اجتماعی سطح پر ان احکامات کے نفاذ کی کوشش اور اسکی تبلیغ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کے نتیجہ میں عروج حاصل ہوا اور دور حاضر میں مسلمان اس لیے ذلت و خواری کا شکار ہیں کہ ہم نے قرآن حکیم کو عمل کے اعتبار سے پس پشت ڈال دیا ہے۔

نماز مغرب سے قبل یہ پروگرام اختتام کو پہنچا جس کے بعد وہیں پر نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اس پروگرام میں خواتین و حضرات سمیت تقریباً 425 افراد شریک تھے جس میں تقریباً 150 رفقاء کی تعداد بھی شامل ہے۔ (رپورٹ: محمد سمیع' کراچی)

تنظیم اسلامی بی بیوڑ کی دعوتی سرگرمیاں

دسمبر کے آخر میں 2 دعوتی اجتماعات ہوئے۔ پروگرام بیوڑ کی ایک مسجد میں بعد از نماز مغرب ہوا۔ راقم نے منہج انقلاب نبوی ﷺ کے موضوع پر خطاب کیا۔ 10 احباب اور 4 رفقاء نے شرکت کی۔ دوسرا دعوتی اجتماع بمقام خانپور جامع مسجد میں ہوا جس میں عالم زیب نے فرائض دینی اور راقم نے منہج انقلاب نبوی ﷺ پر خطاب کیا۔ دونوں خطابات میں 30 احباب اور 5 رفقاء نے شرکت کی۔ جنوری 2005ء کے دوران گندیکا کے وسط میں ایک مسجد میں بعد از نماز مغرب راقم نے حب رسول ﷺ اور اس کے تقاضے کے موضوع پر خطاب کیا۔ تقریباً 35 احباب اور 6 رفقاء شریک ہوئے۔

26 فروری کو راقم نے شاہین پبلک سکول واڑی کے پرنسپل احسان اللہ صاحب جو رفیق تنظیم ہیں' سے ملاقات کی۔ بعد ازاں آٹھویں جماعت کے طلباء کے سامنے عظمت قرآن پر لیکچر دیا۔ وہاں ولی اللہ اور خورشید رفقاء تنظیم سے بھی ملاقات کی۔

27 فروری 2005ء کو بی بیوڑ کے قریب گاؤں شموڑ گار کی جامع مسجد میں عالم زیب نے بعد از نماز عصر فرائض دینی کا جامع تصور اور راقم نے بعد از نماز مغرب منہج انقلاب نبوی ﷺ کے موضوعات پر خطابات کیے۔ اس پروگرام میں 35 احباب اور 5 رفقاء شریک ہوئے۔ دعا پر پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ جناب صاحبزادہ جو تنظیم کے ہم خیال ہیں نے کمال شفقت سے عشائیہ دیا۔ اس دوران واڑی کے الطاف احمد صاحب سے ایک محفل میں ملاقات ہوئی۔ راقم نے راہ نجات نامی کتاب انہیں دی۔ 2 مارچ کو ان کی دعوت پر راقم ساڑھے دس بجے دن واڑی گیا۔ الطاف صاحب کی وساطت سے علامہ اقبال ماڈل سکول کے اساتذہ اور میٹرک کے طلباء کے سامنے فرائض دینی اور منہج انقلاب نبوی ﷺ بیان کیا۔ آخر میں سوال و جواب کی نشست ہوئی اس کے بعد راقم اور الطاف صاحب پانگ جامع مسجد گئے' جہاں بعد از نماز ظہر عظمت قرآن کے موضوع پر بیان کیا۔ تقریباً 25 احباب نے شرکت کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر سعید الرحمان سے ان کے کلینک پر ملاقات ہوئی وہ ڈاکٹر ذاکر نائیک سے متاثر تھے۔ ان کے سامنے فکر تنظیم رکھی۔ اس کے بعد راقم گھر کے لیے روانہ ہوا۔

5 مارچ کو راقم شب بسری کے لیے تمر گرہ گیا۔ بعد از نماز ظہر میاں گان جامع مسجد میں قرآن مجید کے حقوق کے موضوع پر خطاب کیا' 25 احباب شریک ہوئے۔

8 مارچ کو راقم نے ''دیر خاص'' کی جامع مسجد شاؤ میں بعد از نماز ظہر عظمت قرآن کے موضوع پر خطاب کیا۔ (رپورٹ: ممتاز بخت)

ایک روزہ تفہیم دین کورس

تنظیم اسلامی کورنگی کے زیر اہتمام ایک روزہ تفہیم دین کورس مورخہ 13 فروری 2005ء بروز اتوار قرآن مرکز کورنگی میں منعقد ہوا۔ اس کورس کے مدرسین جناب ڈاکٹر محمد الیاس صاحب اور جناب انجینئر سید نعمان اختر صاحب تھے۔ اس کورس میں 15 احباب شریک ہوئے۔ شرکاء کورس سے ڈاکٹر الیاس صاحب نے (۱) مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (۲) نبی کریم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (۳) امت مسلمہ کے لیے سہ نکاتی لائحہ عمل کے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ جبکہ انجینئر سید نعمان اختر صاحب نے عبادت رب اور نیکی کا صحیح تصور کے عنوانات کے تحت لیکچر دیئے۔

دوران لیکچرز ظہر کی نماز کا وقفہ ہوا۔ شرکاء کورس نے نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ ہر لیکچر کے بعد سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی جس میں حاضرین نے بھرپور شرکت کی۔ (رپورٹ: قیصر علی)

قرآن حکیم کے ساتھ ایک شام

تنظیم اسلامی ٹوبہ کے زیر اہتمام 18 مارچ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر لاثانی ہوٹل کے ہال میں سوال و جواب کا ایک پروگرام بعنوان ''قرآن حکیم کے ساتھ ایک شام'' منعقد ہوا۔

پروگرام کی پہلی نشست نماز عصر کے بعد ہوئی جس میں امیر حلقہ پنجاب وسطی محترم عمار فاروقی صاحب نے سورۃ العصر کے حوالے سے ایک مختصر مگر جامع لیکچر دیا۔ جس میں آپ نے واضح کیا کہ اُخروی خسارے سے بچنے کی واحد صورت ایمان کی بنیاد پر صالح اعمال اور پھر تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے فرائض کی بجا آوری ہے۔ نماز مغرب کے وقفہ کے بعد دوسری نشست میں محترم فاروقی صاحب نے سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں دیئے۔ ایک سوال کے جواب میں فاروقی صاحب نے ایک حدیث کے حوالے سے وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ودیعت کردہ علم الاسماء کے ذریعے اگرچہ آج انسان نے ٹیکنالوجی میں ترقی حاصل کر لی ہے۔

لیکن زندگی گزارنے کا صحیح اور معتدل راستہ علم الوحی سے حاصل ہوتا ہے اور اس کا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ ہے۔ اس دور کا دجالی فتنہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ اقوام کی علم الوحی کی آنکھ بند ہے اور کلی انحصار علم الاسماء یعنی مادی علوم پر ہے۔

مبتدی تربیت گاہ

اس تربیت گاہ میں ہم تقریباً 50 کے قریب لوگ تھے اکثریت لاہور سے باہر کے رفقاء کی تھی۔ پہلے دن عصر کی نماز ادا کرنے کے فوراً بعد جو شخصیت ہمارے سامنے آئی وہ انتہائی نوجوان' چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ مگر انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس تنظیم کے ناظم تربیت محترم برادر شاہد اسلم کی تھی انہوں نے ایک بڑے بھائی کی حیثیت سے اپنا مختصر سا تعارف کروایا۔ اور ہمیں تربیت گاہ میں ٹھہرنے کے آداب کے حوالے سے اہم باتیں بتائی اس کے بعد انہوں نے تربیت گاہ میں موجود تمام شرکاء سے مختصر تعارف حاصل کیا۔ اس تربیت گاہ میں ایک بزرگ شخصیت بھی شریک تھی جن کی عمر 80 سال سے کچھ اوپر تھی میری مراد محترم ڈاکٹر سید عبدالسلیم (ترمذی) سے ہے۔ جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابقہ طالب علم اور قائداعظم کے ساتھی یعنی کارکن تحریک پاکستان تھے وہ بھی اس تربیت گاہ میں ہمارے ساتھ کچھ دن موجود رہے تعارفی نشست کے اختتام پر نماز مغرب ادا کی گئی۔

نماز مغرب کے بعد اسلام کا انقلابی منشور نمبر 1 ویڈیو بیانی تنظیم دکھائی گئی اور رفقاء کو ایک کتابچہ دیا گیا جس کا عنوان تنظیم اسلامی کا تعارف اور اس کا انقلابی منشور تھا۔ 21 مارچ بروز پیر نماز تہجد کے وقت انفرادی نوافل اور اذکار مسنونہ کے لیے رفقاء کو اٹھایا گیا۔ ہم میں سے اکثر لوگ اپنے گھروں میں اس وقت گہری نیند کے مزے لے رہے ہوتے ہیں لیکن تربیت گاہ میں رفقاء نے انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ انفرادی نوافل اور اذکار مسنونہ ادا کیے۔ اس کے بعد نماز فجر باجماعت ادا کی گئی نماز کے فوراً بعد تنظیم کے ایک بزرگ ساتھی عبدالرشید صاحب نے مختصر درس قرآن دیا۔ درس قرآن کے بعد رفقاء نماز اشراق' تلاوت قرآن اور ذکر و اذکار میں مشغول ہو گئے۔ جبکہ بعض نے آرام کیا ناشتہ کے بعد مطالعہ دستور تنظیم کی کچھ اہم نکات ناظم تربیت شاہد اسلم نے رفقاء کو سمجھائے۔ اُن کے بعد ناظم اعلیٰ اظہر بختیار خلجی نے بڑے دھیمے اور انتہائی خوبصورت اور مخصوص انداز میں رفقاء کے بنیادی اوصاف پر روشنی ڈالی۔ پھر چائے کا وقفہ ہوا۔

گیارہ بجے دن حافظ عبداللہ محمود نے تزکیۂ نفس پر لیکچر دیا۔ میرا تعلق چونکہ درس و تدریس سے ہے میں نے اکثر لیکچرز کے دوران لوگوں کو سوتا ہوا دیکھا ہے لیکن حافظ عبداللہ محمود کے لیکچر نے ہمیں بیدار رہنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد ناظم تربیت شاہد اسلم نے بورڈ کی مدد سے ہمیں تنظیم اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ اور کچھ تنظیمی اصطلاحات کے بارے میں معلوماتی باتیں بتائیں ظہرانہ عصر طعام و آرام کا وقفہ ہوا۔ عصر سے مغرب کا وقت تفصیلی تعارف شرکاء و سوال و جواب کے لیے مخصوص تھا۔ مغرب تا عشاء بانی تنظیم اسلامی کی ویڈیو ''اسلام کا انقلابی منشور'' دکھائی گئی۔

22 مارچ کی صبح کا آغاز حسب معمول تہجد سے ہوا' رفقاء نے نوافل ادا کیے۔ ہمیں ایک کتابچہ جس کا موضوع مسنون دعائیں تھا' دیا گیا۔ رفقاء اس وقت میں اُسے حفظ کرنے کی کاوش کرتے ہوئے دکھائی دیے۔ نماز فجر کے بعد مختصر سا درس قرآن اس تربیت کا معمول رہا۔ ناشتہ کے بعد پہلے ایمان بالآخر اور بعد ازاں ''عبادت'' کے موضوع پر چوہدری رحمت اللہ بٹر نے اپنے منفرد سٹائل اور گفتگو کے انداز میں لیکچرز دیے۔ چائے کے وقفہ کے بعد مروجہ سیاست اور تنظیم اسلامی کے موضوع پر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے لیکچر دیا موضوع خشک اور مشکل تھا لیکن ڈاکٹر صاحب کی مسکراہٹ اور سادہ طبیعت نے اس کو کسی قدر آسان بنا دیا۔ ان کے بعد رسومات کے موضوع پر ایک بار پھر رحمت اللہ بٹر رفقاء تربیت گاہ سے مخاطب ہوئے۔ آپ کے لیکچر سے رفقاء کی اکثریت نے ایسی رسومات کو ترک کرنے کا ارادہ کیا جسے وہ نیکی سمجھ کر کیا کرتے تھے۔ ظہرانہ عصر وقفہ برائے طعام و آرام ہوا۔ عصر تا مغرب رفقاء کی خواہش پر رحمت اللہ بٹر سے تفصیلی سوال و جواب کی نشست ہوئی۔

مغرب تا عشاء بانی محترم کی ویڈیو ''اسلام کا انقلابی منشور'' نمبر 3 دکھائی گئی۔

بدھ 23 مارچ کو تہجد سے ناشتہ تک معمول کی مشق ہوئی۔ اس کے بعد ''اسلام کا انقلابی منشور'' نمبر 4 بانی محترم کی ویڈیو دکھائی گئی۔ اس کے بعد ''ہدایت اور الہدیٰ'' اور ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے لیکچرز ہوئے۔ اس روز 12 تا 1 بجے تعارف مرکزی ناظمین ہوا۔ ظہرانہ عصر وقفہ برائے طعام و آرام' عصر تا مغرب رفقاء سے تفصیلی تعارف ہوا' اور انہیں لوگوں کے سامنے بات کرنے کی رغبت دلائی گئی اس روز مغرب تا عشاء عبدالرزاق صاحب نے ''ہم عصر تحریکوں میں دعوت کا کام کیسے'' کے موضوع پر گفتگو کی جمعرات 24 مارچ کو دیگر سوالات کے علاوہ پروجیکٹر کی مدد سے ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب نے عبادت' شہادت اور اقامت کے موضوع پر تفصیلی گفتگو کی۔ عصر تا مغرب رفقاء کا تفصیلی تعارف ہوا اور مغرب تا عشاء اسلام کا انقلابی منشور نمبر 5 ویڈیو بیانی تنظیم دکھائی گئی۔

25 مارچ جمعۃ المبارک کے دن ویڈیو جہاد فی سبیل اللہ بانی محترم اسرار احمد کی دکھائی گئی 11 تا 12 تک رفقاء کو جمعہ کی تیاری کا وقت دیا گیا۔ پھر رفقاء کو مختلف گروپس میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور تمام رفقاء نے نماز جمعہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں ادا کی۔ جہاں امیر محترم حافظ عاکف سعید نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔

آخری دن 26 مارچ بروز ہفتہ مبتدی رفقاء امیر تنظیم کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ایک بار پھر اُس عہد کو دہرایا جو ہم سب اللہ رب العزت سے پہلے کر چکے تھے۔ اس دن انجینئر محمد علی نے علم کی فضیلت اور قرآن حکیم کے حوالے سے لیکچر دیا۔ امیر تنظیم محترم حافظ عاکف سعید نے رفقاء سے مختصر تعارف حاصل کرنے کے بعد قرار داد تاسیس کی اہمیت و افادیت کے ساتھ ساتھ زندگی کے حقیقی مقصد پر روشنی ڈالی۔

نماز ظہر اور کھانا کھانے کے بعد ہم سب رفقاء ایک نئے جذبے اور مقصد کو لے کر اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

(رپورٹ: نعیم الدین)

تعزیتی قرارداد

تحریک خلافت پاکستان کی مرکزی خلافت کمیٹی نے 29 مارچ 2005ء کو منعقدہ اجلاس میں اس دوران وفات پانے والے دو معزز ارکان کمیٹی سید معین الدین شاہ صاحب مرحوم اور چودھری غلام محمد صاحب مرحوم کی تحریک کے لیے خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اُن کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور انہیں جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

دعائے مغفرت

☆ حلقہ سرحد جنوبی کے فدا محمد قریشی صاحب کے سُسر انتقال فرما گئے ہیں۔

☆ حلقہ سندھ زیریں کے راشد یار خاں کے چچا صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔

☆ حلقہ سندھ زیریں کے رفیق تنظیم جناب انجینئر نعمان اختر کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں۔

☆ حلقہ سندھ زیریں کے رفیق تنظیم کی اہلیہ قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئیں ہیں۔

☆ حلقہ سندھ زیریں کے رفیق تنظیم جناب محمد افتخار علی کے بھائی انتقال فرما گئے ہیں۔

قارئین ندائے خلافت اور رفقاء واحباب سے مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نقطہ ادارہ

اجناس کو سبسڈی دے کر چھوٹے کاشتکار کو سہارا دینا اس لئے ممکن نہیں کہ خزانہ خالی ہے اور چھوٹے دکاندار کو انکم ٹیکس کے نیٹ ورک میں لانا بھی اس لئے ضروری ہے کہ وہ خزانے کا مسئلہ ہے لیکن اسی خزانے سے اگر ایک ٹھیکیدار کو نئی سڑک کی تعمیر کے لئے رقم دی جا رہی ہے تو دوسرے کو اس کی مرمت کا ٹھیکہ بھی ساتھ ہی دے دیا جاتا ہے۔ اس ملک میں ایسی ایسی جگہوں پر پل کی تعمیر اور مرمت ہوئی جہاں کوئی دریا یا نالہ نہیں تھا۔ لہٰذا حکومت کے پاس عوام کو ریلیف دینے کے لئے وسائل نہیں ہیں۔ حال ہی میں پراپرٹی مافیا نے حکمرانوں سے ساز باز کر کے غریب آدمی کو ہی نہیں مڈل کلاس کو بھی چھت اور چار دیواری کی بنیادی ضرورت سے محروم کر دیا ہے۔

مغرب میں قومی وسائل کی یہ لوٹ مار دوسری بہت سی وجوہات کے علاوہ اس لئے بھی نہیں ہے کہ حکمرانوں کو ہر چار یا پانچ سال کے بعد عوام کی عدالت میں پیش ہونا ہوتا ہے۔ یہاں اوّل تو انتخابات کے انعقاد کے مواقع بہت کم آتے ہیں اور اگر انتخابات ہو بھی جائیں تو نادیدہ قوتوں کے پاس ایسا کرشماتی عمل ہے کہ صحیح جمہوری ادارے قائم ہونے کی بجائے بنیادی جمہوریت یا غیر جماعتی جمہوریت یا حقیقی جمہوریت پارلیمنٹ میں ڈیرے ڈال لیتی ہے۔ یہ ریموٹ کنٹرول جمہوریت کیونکہ اپنی جڑیں عوام میں نہیں رکھتی اور اُسے پانچ سال بعد کسی عوامی پیشی کا خوف نہیں ہوتا لہٰذا وہ عوام کو ریلیف دینے کی بجائے ان بنکدوں میں سجدہ ریز رہتے ہیں جو ان کی دانست میں طاقت کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ لہٰذا پاکستان میں گرانی کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک گرینڈ آپریشن کے ذریعے کینسر زدہ حصہ کو کاٹ کر الگ نہ کر دیا جائے۔ بات پھر وہاں تک پہنچے گی کہ بنیادی طور پر ہر فرد کی اصلاح ناگزیر ہے جس سے صحت مند معاشرہ جنم لے گا اور ایسا معاشرہ استحصالی نظام کو کبھی برداشت نہیں کرے گا اور استحصالی نظام کا استیصال صرف انقلابی عمل سے ممکن ہے۔ اس خستہ عمارت کی مرمت ممکن نہیں ہے۔ جب تک کوئی جزوی اصلاحی کام ہمیں اس استحصالی گروہ سے نجات نہیں دلا سکتا۔ انقلابی عمل کی سختیوں سے جان بچائی گئی تو خواص کا یہ طبقہ جس کے منہ کو خون لگ چکا ہے اس مخلوق خدا کو جسے شرف انسانیت حاصل ہے کیڑے مکوڑوں کی طرح مسل دے گا۔

❁ ❁

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

انجینئر عبدالرزاق اویسی

ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

فضاؤں پہ آیا ہوا ہے نکھار — ہیں رنگیں ہوئے جس سے لیل و نہار
ہوئی جس سے انسانیت تاب دار — ملا جس سے ٹوٹے دلوں کو قرار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

جلیں قمقمے ٹمٹماتے ہوئے — ہیں بینر لگے اور پرچم سجے
درودوں کے ہیں زمزمے گونجتے — ہیں چسپاں ہوئے چار سو اشتہار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

تبرک بٹے اور دیگیں پکیں — پلانے کو پانی سبیلیں لگیں
ہیں مصنوعی روضے شبیہیں بنیں — تقاریر ہوں گی بڑی دھواں دھار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

خطابت کا جادو جگائیں خطیب — اسی سے ہی موجیں اڑائیں نقیب
یہ ہیں عصرِ حاضر کے عاشق عجیب — جو دلبر کی چاہت سے چاہیں فرار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

غضب سے ہے مغلوب دیکھو جسے — اوامر نواہی کی پروا کسے
نمود و نمائش میں ہیں سب پھنسے — زبانی جمع خرچ پر ہے مدار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

نہ غیروں کا اسوہ چھٹا ہاتھ سے — غمی کے مواقع پہ بدعات سے
نہ شادی بیاہ کی خرافات سے — دیانت سے عاری ہمارا شعار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

یہ عشقِ نبیؐ تو ہے نوکِ زباں — ہے باطن تو آماجگاہِ بتاں
کہ ہے جانِ جاتی سنیں جو اذاں — ہے اطوارِ اغیار میں ہی قرار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

جو انگڑائی جذبات نے لی ہے اب — یہ ہیں میلے ٹھیلے اسی کے سبب
یہ جوشِ جنوں سرد ہو جائے جب — تو دنیائے دُوں پر یہ ہوں گے نثار
ہے میلادِ آقاؐ کا جشنِ بہار

ولادت کا ہم دن منائیں بھلے — مگر ذکر بعثت کا بھی تو چلے
سبق جس سے امر و نہی کا ملے — ہو اعمالِ سنت پہ جس کا مدار
تو میلاد کا پھر ہو جشنِ بہار

❁ ❁

زندگی کا حاصل

آپ مصنف ہوں یا محقق، طالب علم ہوں یا استاد، ادیب ہوں یا شاعر، مقرر ہوں یا مفکر، سائنس دان ہوں یا صنعت کار، عالم ہوں یا صوفی، جج ہوں یا وکیل، کچھ بھی ہوں، یہ یقین کر لیجئے کہ اگر آپ نے قرآن حکیم نہیں پڑھا تو آپ علم سے محروم ہیں۔ آپ علم کی چاشنی سے نابلد ہیں اور آپ کو بھی علم کا سرا بھی نہیں ملا۔ علم کا سرچشمہ قرآن ہے۔ علم کی شاہ کلید قرآن ہے۔ وہ شخص یقیناً علم سے محروم ہے جو قرآن سے محروم ہے۔ قرآن ہی سے آپ کو حقیقت کا سراغ مل سکتا ہے۔ قرآن ہی آپ کی علمی پیاس بجھا سکتا ہے۔ قرآن ہی آپ کے ذوقِ علم کی تسکین کر سکتا ہے اور اگر آپ کلام کے جوہر شناس ہیں تو قرآن ہی آپ پر کلام کے جوہر آشکار کر سکتا ہے۔ قرآن سے شغف زندگی کا حاصل ہے۔ اس میں غور و فکر انسانیت کی معراج ہے اور اس کی روشنی میں اپنی شخصیت کی تعمیر سعادت و خوش بختی کا راز ہے۔ اس سے ہدایت حاصل کرنا دانشمندی اور اس کی ہدایت پر چلنا کامیابی کی ضمانت ہے۔ (مرسلہ: رضیہ پروین، چونیاں)

عالم اسلام کی خبریں

مسلم ممالک کا نصاب تبدیل کرنے کی سازش

چند ماہ سے حکومت پاکستان ''جدید نظریات'' پرمبنی نصاب ضلعی بورڈوں میں رائج کرنے کی کوشش کر رہی ہے' مگر اسے اساتذہ' طلبا اور عوام کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔ اب افغانستان میں بھی نصاب تبدیل کرنے کی سازش شروع ہو چکی ہے۔ افغانستان میں موجود امریکی حکام نے افغان حکومت کو ہدایات جاری کی ہیں کہ وہ قومی نصاب میں تبدیلی لائیں اور مدارس میں جہاد کی اسلامی تعلیم دینا بند کر دی جائے۔ ان ہدایات میں صرف ایک کام کی بات ہے' وہ یہ کہ مدارس میں کمپیوٹر اور سائنس کی تعلیم بھی دی جائے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بدلتے حالات کے مطابق ضروری ہے کہ مسلمان طلبہ و طالبات سائنس و ٹیکنالوجی کے جدید ترین نظریات سے آگاہ ہوں تاکہ وہ اپنے اپنے وطن کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکیں۔ مگر ساتھ ہی ضروری ہے کہ وہ مغرب کی خرابیوں اور خامیوں سے دور رہیں اور صرف وہاں کی خوبیاں اپنائیں۔ مغرب کی تعلیم دراصل مادہ پرستی پر استوار ہے' اس لئے ہمیں اس سے وہی عناصر لینے چاہئیں جو ہماری ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ ورنہ مغربی تعلیم بحیثیت مجموعی پڑھنے والے کو مادہ پرست اور ''پیسہ کمانے والی مشین'' بنا دیتی ہے۔ اس میں اسلامی تعلیم کی طرح وہ خصوصیات نہیں ہیں جو ایک مسلمان کو اخلاقی لحاظ سے گوناگوں خوبیوں سے متصف کرتی ہیں۔

افغان حکومت نے اپنے حامی علماء سے کہا ہے کہ وہ مدارس میں جا کر ''مغربی تعلیم'' کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ ظاہر ہے یہ آسان کام نہیں کیونکہ افغانوں میں روایتی تعلیم بہت راسخ ہے اور وہ جدید تعلیم کی خامیوں کے باعث اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی لئے ہرات اور مشرقی افغانستان میں علماء کونسلوں نے نصاب میں تبدیلی کے سرکاری فیصلے کو مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس عمل کے خلاف بھرپور مزاحمت کی جائے گی۔

عراق میں امریکا کے خلاف عظیم الشان عوامی مظاہرہ

عراق پر امریکی حملے کے دو سال مکمل ہونے پر ہزاروں عراقیوں نے امریکا کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ عراقی عوام اس غاصبانہ قبضے کے خلاف ہیں۔ مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ امریکی جلد از جلد ان کے وطن سے دفع ہو جائیں۔ مظاہرے میں شریک لوگوں کی بڑی تعداد کا تعلق مقتدیٰ صدر کی جماعت سے تھا۔ جائزوں کے مطابق یہ امریکی حملے کے بعد سب سے بڑا عوامی مظاہرہ تھا۔

مظاہرے سے خطاب کرتے ہوئے مقتدیٰ کے نائب نے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''اے خدا! ان لوگوں کی گردنیں اسی طرح کاٹ ڈال جس طرح وہ ہماری گردنیں کاٹ رہے ہیں اور ہمیں دہشت زدہ کر رہے ہیں۔ جب تک قابض فوج یہاں سے نہیں جائے گی' یہاں امن قائم نہیں ہو سکتا''۔ مظاہرے کی خاص بات یہ ہے کہ بغداد کے سنی علماء نے بھی اس کی حمایت کرتے ہوئے سنیوں پر زور دیا کہ وہ اس میں بھرپور شرکت کریں۔

دریں اثنا عراق نو منتخب صدر جلال طالبانی نے امید ظاہر کی ہے کہ اگلے برس امریکی فوج عراق سے چلی جائے گی۔ یاد رہے کہ عراق میں ایک لاکھ چالیس ہزار امریکی فوجی موجود ہیں۔ انہوں نے یہ امکان بھی ظاہر کیا کہ پندرہ اگست تک ملک کا نیا آئین تیار ہو جائے گا۔

عراق کے حوالے سے ایک اور اہم خبر...... اقوام متحدہ کے سابق چیف اسلحہ انسپکٹر ہانس بلکس نے ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی کہ امریکا نے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنے کے لئے عراق پر حملہ کیا ہے۔ یاد رہے کہ امریکا نے اس جواز پر حملہ کیا تھا کہ عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں جب کہ ہانس بلکس کے مطابق ''حقیقت اس کے برعکس تھی۔ اسی لیے اخلاقی طور پر امریکا کو عراق جنگ میں شکست ہوئی ہے''۔

اسرائیل کی چیرہ دستیوں میں کمی نہیں آئی

پچھلے دنوں انتہا پسند یہودیوں کی تنظیم ریوانے اعلان کیا تھا کہ اس کے دس ہزار رکن اپریل کو مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے' کیونکہ وہ مسجد ہیکل سلیمانی کی جگہ تعمیر ہوئی ہے۔ اس پر آٹھ اپریل کی رات ہی ہزاروں مسلمان مسجد اقصیٰ میں پہنچ گئے اور اگلے دن انسانی ڈھال کی شکل میں وہ صیہونی عزائم کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

مسلمانوں کا جوش و ولولہ دیکھ کر صیہونیوں کی سازش جھاگ کی طرح بیٹھ گئی اور صرف چند ہی صیہونی مسجد اقصیٰ کی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔ مسلمانوں کے اتحاد اور زبردست ایمانی مظاہرے نے اسرائیلی حکومت کو دکھا دیا کہ مسلمان اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دے گا مگر حرم الشریف کا ایک انچ بھی صیہونیوں کے قبضے میں نہیں جا پائے گا۔

دوسری طرف اسرائیلی وزیر خارجہ سلوان شیرون نے اعلان کیا ہے کہ (بظاہر) امریکی مخالفت کے باوجود فلسطینی علاقوں میں یہودی بستیوں کی تعمیر جاری رہے گی۔ ان کے مطابق فلسطین میں موجود یہودی بستیاں اسرائیل کا حصہ ہیں۔ اس دوران اسرائیلی وزیر اعظم اریل شیرون سے ملاقات کے بعد صدر بش نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''فلسطینیوں کو چاہیے کہ وہ حقائق سمجھنے کی کوشش کریں۔ موجودہ حالات کے مطابق یہ ممکن نہیں ہے کہ فلسطین کی سرحدیں وہاں تک برقرار رکھنی چاہئیں جہاں 1949ء میں تھیں''۔

مندرجہ بالا ملاقات میں اسرائیلی و امریکی رہنماؤں نے اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ آزاد فلسطینی ریاست ضرور قائم ہو گی مگر کب؟ اس طرف انہوں نے کوئی اشارہ نہیں کیا۔ لگتا ہے ان کا بیان فلسطینیوں میں آزادی کی بھڑکتی شمع مدہم کرنے کی کوشش ہے۔ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ انہیں کامیابی ملتی ہے یا ناکامی۔

اقوام متحدہ میں اصلاحات

آج کل اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے مستقل ارکان کی تعداد بڑھانے کا منصوبہ زیر عمل ہے۔ بھارت' جاپان' برازیل اور دیگر بڑے ممالک مستقل رکن بننا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ سیکورٹی کونسل کے نئے ارکان کو ویٹو کا حق دیا جائے یا نہیں؟ پاکستان سمیت ترقی پذیر ممالک کی اکثریت انہیں ویٹو پاور نہیں دینا چاہتی۔ امریکا اور دیگر عالمی طاقتوں نے اس طاقت کا جس طرح بے جا استعمال کیا ہے' اسے دیکھتے ہوئے ان کے خدشات جائز ہیں۔

پاکستان سمیت کئی ممالک کا کہنا ہے کہ سیکورٹی کونسل کے نئے مستقل ارکان ضرور بنا لئے جائیں مگر انہیں ویٹو پاور حاصل نہ ہو۔ اسی طرح اسلامی ممالک کا اصرار ہے کہ کم از کم ایک مسلمان ملک کو بھی مستقل رکن بنایا جائے تاکہ ایک ارب چالیس کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی سیکورٹی کونسل میں ہو سکے۔ دیکھئے یہ اعزاز کس اسلامی ملک کے حصے میں آتا ہے۔ امت کی واحد ایٹمی طاقت ہونے کے باعث پاکستان اس عہدے کا مضبوط امیدوار ہے۔

بھارتی لابی کی کوششیں

امریکا نے حال ہی میں پاکستان کو ایف سولہ طیارے اور دوسرا جدید جنگی ساز و سامان دینے کا اعلان کیا ہے۔ گو اس اعلان کے پس پردہ مقاصد ہیں مگر واشنگٹن میں بھارتی لابی اس جنگی امداد کو بھی رکوانے کے سلسلے میں سرگرم عمل ہیں۔ اس سلسلے میں بھارت نواز ارکان کانگریس جلد کانگریس میں یہ بل پیش کریں گے کہ پاکستان کو ایف سولہ طیارے اور دیگر سامان اسی وقت دیا جائے جب وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو امریکی حکومت کے حوالے کر دے۔ دریں اثنا رکن کانگریس گیری ایکرمن نے صدر بش کو خط تحریر کیا ہے کہ وہ پاکستان کو ایف سولہ طیارے فراہم نہ کریں۔

writer's intentions to create a rift between even those who belong to the same sect.

Without Shiite participation in elections and without Sistani's calls to Shi'ite community all over the world to vote from wherever they are, the Presidential council of three collaborators, Talabani a Kurd descendent of Salah-ud-din, a Shiite descendent of Imam Hussain and a Sunni representative of the divided Sunnis would not have seen the light of the day.

Neither is this a momentum of peace, nor is the resistance to US occupation a lust of death. Otherwise this lust would have been on display even when Saddam was in power. Credit for the deaths, destruction, torture and degradation of Iraqis goes to not-so-hidden strategy and objectives of the Zionist-neocons' global policies.

The totalitarian Zionists and neo-cons will continue to bring more war, more destruction and more humiliation for the Muslims who themselves are at war with Islam and prefer to live and die by the tyrants of the day.

Real peace and accommodation does not come with fake elections and establishment of a sham democracy after launching a war and killing more than 100,000 people on the basis of lies upon lies. Real peace is possible by Muslims' determination to living by Islam rather than embracing and defending values of the merchants of death and mainstream lunatics in Washington.

The fig leaf of Talabani's election cannot hide the US crimes and illegitimate war on Iraq. Hence, irrespective of the occurrence of "Vietnam scenarios," the US is bound to fail along with the Talebani' election. So will fail the US installation of Karzai in power where the situation is no different from what is deceptively called "new peace initiative" in Palestine, or the "caravan of peace" in South Asia with a bus service between India and Pakistan.

All these are ways to legitimizing occupations and aggressions. However, as long as the seeds of injustice and oppression remain there and as long as Muslims do not have the opportunity to exercise their right to self-determination, the occupiers and aggressors are bound to fail regardless of the time that it may take.

All along from participation in the elections to the election of Jalal Talabani, Iraq's puppet parliamentarians have been justifying the US crimes of 12-years' long sanctions that took 1.8 million lives; the lies for invasion of Iraq; the Abu Ghraib kind of torture and humiliation and of Bush's Halebja in Fallujah and other cities.

Iraqi puppet parliamentarians could not see their future. But for chemical Ali who was made to watch and other members of the Baathists cabal it was a replay of their past, when they danced to the US tunes and killed their own people to please Washington. The time is not far when there will be another full circle of events and deeds of the present puppets will come to haunt the members of the present cabal of collaborators.

There is no need to wonder where was the global Islamic conscience sleeping when nobody condemned Saddam for 5,000 dead in a single day in the chemical attack on Halebja, or Assad, or 30,000 killed in Hama? Majid infamously led the brutal Anfal campaigns against the Kurds in 1988, gassing to death 5,000 descendents of Salah-ud-din Ayubi with chemical weapons at Halebja.

If Islamic conscience were alive, it would not have made us see any of the Muslim dictators, kings or sheikhs sitting in power over Muslim masses and mainly serving interest of the former colonial powers or the present tyrants in Washington.

If Islamic conscience were alive, we would not have seen Saddam Hussein or any un-Islamic government in the Muslims world in the first place. We would not have seen Muslims neck deep in Riba (interest), liquor, fornication, homosexuality, and other un-Islamic practices. We would have seen Muslims dying for secularism. We would not have seen Muslim collaborating with occupiers. We would not have seen Muslim divided in many sects and more than fifty nation states with their wealth rotting in the un-Islamic banking systems abroad and their people reeling at the bottom of human development statistics.

If Islamic conscience were alive, we would not have seen any one dare attempt to invade and enslave Muslims on the basis of nothing but lies upon lies and deception.

If Islamic conscience were alive and at work we would not have seen a puppet (Talabani) paying tribute to "the martyrs of Kurdistan and the southern marshes," a reference to Shiites killed during a joint uprising against Saddam in 1991, but ignoring the more than 100,000 Iraqis of all sects who lost their lives due to the US invasion and the 1.8 million that died due to economic sanctions against Iraq.

Saddam and Ba'athism was the result of flight from Islam. What will be the result of the recent US invasions and occupations for promoting secular democracy will not be the reversion to what we have seen so far. It would be revival of Ayubi and Husseini soul in Muslims because they cannot be oblivious of the fact for too long that they are the first who have turned their back on Islam. Outsiders cannot promote or sustain a war on Islam, unless Muslims themselves do not collaborate in rebellion against Islam.

In that sense, one has to agree that the United States' bloody adventures are a war for Islam, because it is playing a vital role in reawakening Muslims to the fact that they are Muslim only in name; that the sects they claim to belong have no place in the Qur'an and Sunnah. They do not practice what they proclaim to believe. Not practicing what one proclaims to believe is unbelief. It is as simple as this. And this realisation among Muslims is the greatest victory for Muslims out of the US war.

Thus we come to the simple conclusion that the US is unknowingly fighting a war for Islam because Muslims, of whatever contrived sect they may belong to, would never have woke up from their slumber without it.

دل جس سے زندہ ہے!

——مولانا ظفر علی خان——

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو
پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اُس نور اوّلیں کا اجالا تمہی تو ہو
سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غایتوں کی غایتِ اولیٰ تمہی تو ہو
جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہی تو ہو
جو ماسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
وہ رہ نوردِ جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو
گرتے ہوؤں کو تھام لیا جس کے ہاتھ نے
اے تاجدارِ یثرب و بطحا تمہی تو ہو
دنیا میں رحمتِ دوجہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No. 13

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeem.org)

Unknowingly, the US is fighting a war for Islam!

The soul of Salah-ud-din Ayubi, the Kurdish general revered throughout the lands of Islam should have been very sad. So would be the soul of Imam Hussein.

Salah-ud-din's descendents who were brutally murdered by a former stooge of the United States are now the chief collaborators in the US occupation of Iraq. So are the Shiite, who betrayed the soul of Imam Hussein by surrendering the tyrant invaders and working for consolidation of the occupation.

Some pro-US war analyst-collaborators, and personnel of the US and Israeli agencies writing in Muslim names, argue that may be Iraq was not a war against Islam but a war for Islam. None of the independent Muslim analysts has argued that Iraq war was directly a war on Islam and as a result the neocons would succeed in eliminating Islam as such.

Actually the war on Iraq is part of a larger war on Islam. In the overall war, Muslims, divided in countless sects, are hurting the cause of Islam more than anyone else. Muslims' war on Islam is far serious and effective than all the US and its allies' all out attempts at undermining it. Nevertheless we can argue that they are unintentionally and unknowingly helping the cause of Islam

However, the pro-occupation Muslims who think that the US occupation of Iraq is a war for Islam are considering it so for some baseless reasons.

They argue that the Ayatollah's in Qom "could learn [from this war] and like to defuse their activism in favour of Sistanis 'quietism.'"

These undercover enemies of Islam believe that Sistani's conduct has been apolitical and he lacks a lust for temporal powers. They don't know that he has taken the back seat for specific reasons, one of which is his Iranian nationality.

It is too early for the Mossad and CIA agents writing in Muslim names to predict a rift between the Ayatollah's of Iran and Iraq.

It is a total disregard of the reality to predict that Sistani would wrest Shiite clerical control back from Qom and Baghdad will once again take its role as the capital of Islam, with Kerbala and An-Najaf as the minarets bellowing the cry of freedom to the oppressed Shi'ite of the world.

Sistani's capitulation and surrender to the US occupation was evident the day he started his collaboration with silence. Irrespective of Sistani's knowledge and respect among Shi'ite community, he is no way near the dust of those who are standing firm against the US totalitarian adventures, let alone his challenging Qom's global leadership of Shiite Islam.

The world knows Sistani from his silence over the events like Abu-Ghraib and the attacks on Najaf until these events were broadcasted by the foreign media. The worst came to fore when his criminal "quietism" continued in the face of crimes against humanity in Fallujah.

Sistani's silent collaboration had a bad effect on Shiite population in general. Whilst the Sunnis of Fallujah, Ramadi, Tikrit, Mosul and various other cities engaged in liberation, the Shi'ite community remained relatively silent or their resistance in Najaf forgiven in return for Sistani's belated intervention.

It is also naïve to apply the Shiite principles to Islam in General in support of the secular mantra of separation of church and state. Some of the Shi'ite scholars argue on the grounds of theological reasons which state that political participation to be suspended until the arrival of the infallible Imam Mahdi. This, however, is not the case in Islam or majority of Shi'is and Sunnis in general.

Sistani's silence itself was participation in favour of the occupation. It amounted to taking a position by default and making a statement of tacit approval. Being apolitical is like the notion of neutral, but that is not the case as we have seen from the subsequent sham elections under the auspices of the occupiers. The so considered apolitical Sistani was the one who mobilized Shiite all over the world to participate in the elections, despite the total rejection by a majority of Sunni Muslims.

Imam Hussein's heroic stand against the rule of Yazeed would be described by the modern standards of the occupiers and global terrorists as suicidal. That's Sistani and other Muslim leaders' playing by the rules of the occupiers designed specifically to justify the war and occupation is considered by many as betrayal of Imam Hussein's soul for worldly/political gains.

It is naïve to assume that Sistani disregarded Ayatollah's in Qom. It might be a game plan to somehow take advantage of the Sunni's total focus on throwing the occupiers out and come into power one way or the other. Keeping true to its anti-American rhetoric, Iran could directly use Sistani to get the Shi'its to revolt openly. But it might have decided to let the Shi'ite come into power before thinking of throwing the US out.

Thus, Sistani's tacit approval of the US led onslaught on Sunnis was a clear indication of the objectives to raise the Shi'its' strength at the expense of the Sunnis. Saddam's crimes against Shi'ite and Kurds do not justify such an insensitive and un-Islamic attitude. Otherwise, what is the difference between those who approved yesterday's oppression and those who are taking advantage of today's oppression.

Those who cannot come up with a single reason to support their claim that the US war on Iraq was a war for Islam, ignore that what the collaborating Sunni and Shi'ite leadership were doing in Iraq was a clear violation not only of the principles of the Qur'an but of all international law norms of human decency.

Allowing non-Muslim, invading armies to kill your brothers and sisters in faith is a clear violation of the Qur'anic commands unless, of course, if the collaborating, pro-war analysts consider Muslims living in Fallujah, Ramadi and elsewhere to be outside the fold of Islam, or the US lies for invading Iraq as truthful statements made to promote the cause of Islam.

The collaborating leadership of both Shiite and Sunnis would shine until the US forces are there and they keep on scratching each other's back.

Expecting Shiite leadership to shift "Vatican" of Shiite Islam back to Najaf from Qom is as wishful as the US dream to enslave and transform all Muslims in the neocons' image forever to come. Introducing this idea in itself is sign of a